جون 2002ء

ماہنامہ
طلوعِ اسلام
لاہور

حدیث نبویؐ

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ایک دن صحابہؓ سے فرمایا کہ کیا میں تمھیں ایک ایسی چیز بتاؤں جو نماز، روزہ اور زکوٰۃ سے بھی افضل ہے۔ صحابہؓ نے اشتیاق کے ساتھ پوچھا تو حضورؐ نے فرمایا کہ ''وہ چیز ہے باہمی تعلقات کا درست رکھنا''۔

قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر

انسانی معاشرہ کے ناسور۔ مترفین

مسلمان اور زمانے کے بدلتے ہوئے حالات

طرزِ تعلیم افکارِ اقبال کے آئینے میں

ہمارے قائدؒ

Dumping humanity down by dumping the great vision!

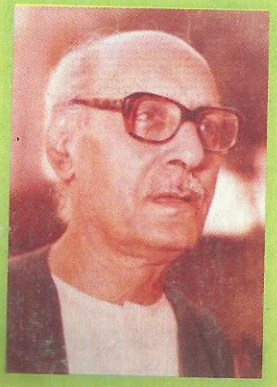

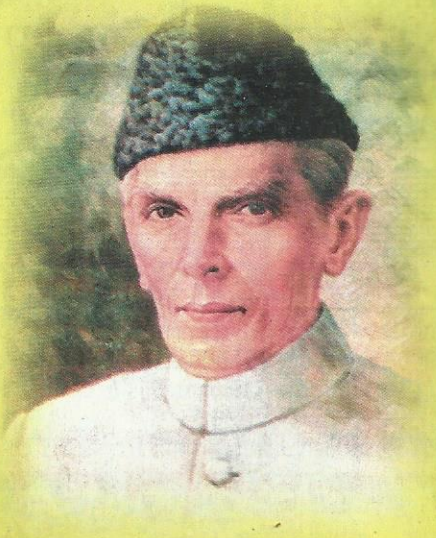

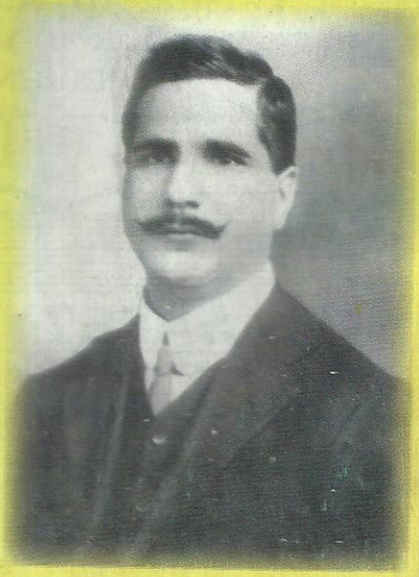

مجلّہ طلوع اسلام کا اجراء 1938ء میں علامہ اقبالؒ کے ایماء اور قائداعظمؒ کی خواہش پر عمل میں آیا

قُرآنی نظامِ ربُوبیّت کا پیامبر

ماہنامہ
طلوعِ اسلام
لاہور

بدل اشتراک
سالانہ
پاکستان -/170 روپے
غیر ممالک -/1000 روپے

خط و کتابت
ناظم ادارہ طلوعِ اسلام (رجسٹرڈ) ۲۵-بی گلبرگ ۲ لاہور ۵۴۶۶۰
ٹیلی فون: 5714546-5753666
idara@toluislam.com

قیمت فی پرچہ
-/15
روپے

Bank Account Number 3082-7 National Bank of Pakistan, Main Market Gulberg Branch, Lahore.

جلد 55 — جون 2002ء — شمارہ نمبر 6

ایڈیٹر

محمد سلیم اختر

مجلس مشاورت

✡ ڈاکٹر صلاح الدین اکبر

✡ محترمہ شمیم انور

اکاؤنٹنٹ/ڈسپیچ کلرک ---- محمد زمرد بیگ

کمپوزر---- شعیب حسین

انتظامیہ

چیئرمین ---------- ایاز حسین انصاری

ناظم ---------- محمد سلیم اختر

ناشر ---------- عطاء الرحمٰن ارائیں

قانونی مشیر

◉ عبداللہ ثانی ایڈووکیٹ
◉ ملک محمد سلیم ایڈووکیٹ
◉ محمد اقبال چوہدری ایڈووکیٹ
◉ اقبال ادریس ایڈووکیٹ

پرنٹرز: آفتاب عالم پریس، ہسپتال روڈ لاہور - فون: 7232584

فہرست

لمعات	ادارہ	3
انسانی معاشرہ کے ناسور (مترفین)	علی محمد چدھڑ	7
مسلمان اور زمانے کے بدلتے ہوئے حالات	ڈاکٹر حبیب الرحمن خان	13
طرزِ تعلیم --- افکار اقبال کے آئینے میں	فخر عالم	17
ہمارے قائداعظمؒ	ڈاکٹر شبیر احمد	22
محترم و مکرم جنرل پرویز مشرف صاحب!	ایاز حسین انصاری	41
ڈاکٹر شبیر احمد کے نام کھلا خط	سید اعجاز احمد	47

ENGLISH SECTION

Dumping Humanity Down by Dumping The Great Vision!

By Dr. Shafiq Anwar 64

بسم اللہ الرحمن الرحیم

لمعات

سورۃ الکہف کی آخری آیت میں ایک عظیم فکر انگیز حقیقت کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ کہا کہ **ھل ننبکم بالاخسرین اعمالا۔** ''کیا ہم تمہیں بتائیں کہ وہ کون لوگ ہیں جو کام تو بہت کرتے ہیں لیکن اس کے باوجود سخت نقصان میں رہتے ہیں۔'' یہ وہ لوگ ہیں: **ھم یحسبون انھم یحسنون صنعا۔** ''جو اس خیال میں مگن رہتے ہیں کہ وہ بہت اچھے کام کر رہے ہیں۔'' **فحبطت اعمالھم۔** ''لیکن ان کے کام کوئی نتیجہ مرتب نہیں کرتے۔ سب رائیگاں جاتے ہیں''۔ (۱۰۵-۱۰۳/۱۸)۔

ان آیات میں پہلا غور طلب نکتہ یہ ہے کہ یہاں یہ نہیں کہا گیا کہ سب سے زیادہ نقصان میں وہ لوگ رہتے ہیں جو کچھ کام نہیں کرتے۔ کہا یہ گیا ہے کہ کام تو وہ کرتے ہیں لیکن اس کے باوجود سخت نقصان میں رہتے ہیں۔ دوسرا توجہ طلب نکتہ یہ ہے کہ یہ منافقین بھی نہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو نہایت نیک نیتی سے سمجھتے ہیں کہ وہ بہت اچھے کام سرانجام دے رہے ہیں لیکن اس کے باوجود ان کے کام مطلوبہ نتائج پیدا نہیں کرتے اس لئے وہ رائیگاں چلے جاتے ہیں۔ اس سے واضح ہے کہ جن لوگوں کی کوششیں مطلوبہ نتائج پیدا نہ کریں وہ سب سے زیادہ نقصان میں رہتے ہیں۔ سوچئے! کہ یہ امر کس قدر عبرت آموز اور تأسف انگیز ہے کہ کوئی شخص نہایت نیک نیتی سے جان مار کر کام کرے لیکن اس کے باوجود انجام کار سخت خسارے میں رہے۔ اس نقصان سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ کھڑے ہو کر سوچا جائے کہ جو کام ہم کر رہے ہیں وہ مطلوبہ نتائج بھی پیدا کرتا ہے؟ اور اس کے لئے یہ طے کرنا لا ینفک ہے کہ یہ متعین طور پر معلوم ہو کہ وہ نتیجہ کیا ہے جو اس کام سے مطلوب ہے۔

ہماری تاریخ میں اس قسم کے حبطِ اعمال کی بکثرت مثالیں ملیں گی لیکن ہمیں اس کے لئے ماضی میں جانے کی ضرورت نہیں۔ جو کچھ ہمارے ہاں آج کل ہو رہا ہے وہ اس کی زندہ مثال ہے۔ ''ہمارے ہاں'' سے مراد کم و بیش تمام مسلم ممالک ہیں۔ آپ دیکھ رہے ہیں کہ کچھ عرصے سے مسلم ممالک میں ''اسلام کے احیاء'' کی تحریک بڑی شدومد سے جاری ہے۔ پاکستان اس میں پیش پیش ہے۔ اس مقصد کے لئے بڑی بڑی بلند پایہ کانفرنسیں منعقد ہوتی ہیں۔ بین الملی سیمیناروں کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ وسیع پیمانوں پر مذاکرے ہوتے ہیں جن میں لمبی چوڑی تقریریں ہوتی ہیں۔ مبسوط مقالات پڑھے جاتے ہیں۔ خطابات پیش کئے جاتے ہیں۔ مختلف کمیٹیاں بنائی جاتی ہیں۔ کمیشن بٹھائے جاتے ہیں۔ یہ سب کچھ کئی برسوں سے ہو رہا ہے۔ اس پر بیش بہا وقت، توانائی

اور روپیہ صرف کیا جا رہا ہے لیکن آپ سوچئے کہ اس سب کے باوجود اس مقصد کی طرف ایک قدم بھی آگے بڑھا ہے جس کے حصول کے لئے یہ ساری تگ وتاز کی جا رہی ہے۔ کہا جا سکتا ہے کہ اس سے مختلف مسلم ممالک ایک دوسرے کے قریب آ رہے ہیں۔ ہم اسے تسلیم کئے لیتے ہیں (اگرچہ یہ قریب بھی وقتی، ہنگامی اور سطحی سا ہوتا ہے) لیکن اس تگ وتاز کا مقصد یہ نہیں۔ مقصد احیاء اسلام ہے اور یہ حقیقت ہے کہ اس مقصد کی طرف ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھا۔ جب یہ حقیقت ہے تو کیا اس کی ضرورت نہیں کہ ہم کھڑے ہو کر سوچیں کہ اس کی وجہ کیا ہے؟

اس کی وجہ بالکل واضح ہے بشرطیکہ ہم کبوتر کی طرح اپنی آنکھیں بند نہ کئے رکھیں۔ اس تمام سعی وکاوش کا مقصد احیاء اسلام بتایا جاتا ہے لیکن سوال یہ ہے کہ کیا اسلام کا کوئی متفق علیہ اور متعین مفہوم بھی ہمارے ذہنوں میں ہے۔ اس سوال کا جواب بڑی آسانی سے مل سکتا ہے۔ آپ ایسا کیجئے کہ اب کے جو کانفرنس منعقد ہو آپ اس کے شرکاء میں ایک ایک سادہ ورق تقسیم کر دیجئے اور ان سے کہئے کہ وہ ان اوراق پر لکھ دیں کہ ان کے نزدیک اسلام کا مفہوم کیا ہے؟ آپ کو جو جوابات ملیں گے ان سے آپ دیکھیں گے کہ ان میں سے اکثر وبیشتر مبہم ہوں گے۔۔ یعنی ایسے الفاظ اور اصطلاحات کا مجموعہ جو ہمارے ہاں عام طور پر رائج ہیں لیکن جن کا کوئی مفہوم متعین نہیں۔۔ اسلام رضا جوئی باری تعالیٰ کا نام ہے۔ اسلام دین فطرت ہے۔ اسلام مکمل ضابطۂ حیات ہے۔ اسلام احکامِ شریعت کے مطابق عمل کرنے کا نام ہے۔ اسلام قربِ خداوندی کا ذریعہ اور نجات وسعادت کا ضامن ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔۔۔ جو جوابات ایسے الفاظ میں دیئے گئے ہوں جن کے معانی واضح ہوں آپ دیکھیں گے کہ ان میں سے کسی ایک کا جواب دوسرے سے نہیں ملے گا۔ اس کا تجربہ منیر کمیٹی میں کیا جا چکا ہے۔ اس میں ہمارے علماء کرام سے پوچھا گیا تھا کہ مسلمان کسے کہتے ہیں۔ ان میں سے اکثر نے تو یہ کہہ کر پیچھا چھڑا لیا تھا کہ اس جواب کے لئے کافی وقت درکار ہے۔ جنہوں نے جواب دیا تھا ان میں سے کسی ایک کا جواب دوسرے سے نہیں ملتا تھا۔ وہ رپورٹ آج بھی مطبوعہ شکل میں محفوظ ہے۔ جس کا جی چاہے دیکھ لے۔ ان تمام دلائل وشواہد سے بڑھ کر، ارشاد باری تعالیٰ اس باب میں قول فیصل ہے۔ اس نے فرمایا ہے۔ **شرع لکم من الدین..... فیہ** (۴۲/۱۳) ''اللہ نے جو دین تمہارے لئے متعین اور واضح کیا ہے وہی ہے جسے اس نے نوحؑ۔ ابراہیمؑ۔ موسیٰؑ۔ عیسیٰؑ (اور دیگر انبیاءؑ) کی طرف وحی کیا تھا۔ ان سب سے یہی کہا گیا تھا کہ وہ خدا کے متعین فرمودہ دین کو قائم کریں اور اس میں تفرقہ پیدا نہ کریں۔'' یعنی یہی نہیں کہ جو دین مسلمانوں کو دیا گیا ہے اس میں تفرقہ کی گنجائش نہیں بلکہ دین شروع سے آخر تک ایک ہی چلا آیا ہے۔ اس لئے الدین میں اختلاف اور افتراق نہیں ہو سکتا۔

جو کچھ اوپر کہا گیا ہے وہ پاکستان تک محدود نہیں۔ تمام مسلم ممالک کی یہی حالت ہے۔ ایک ملک کے اندر اسلام کے مختلف علمبرداروں کی یہی کیفیت ہے اور مختلف ممالک کے مسلمانوں کی بھی یہی حالت۔ سو جب حالت یہ ہے کہ اسلام کے نام لیواؤں کے ذہن میں اسلام کا کوئی متفق علیہ، متعین مفہوم ہی نہیں تو احیاء اسلام کی کوششوں کا مطلب کیا ہوگا؟ اور یہ کس طرح نتیجہ

خیز ہوسکیں گی؟ ہمیں کسی کی نیت پر شبہ کرنے کا کوئی حق نہیں۔ ہم تسلیم کئے لیتے ہیں کہ ان سب کی نیت بخیر ہے۔ وہ دل سے احیاء اسلام کے خواہاں ہیں۔ لیکن واضح، متفق علیہ اور متعین نصب العین کے بغیر محض حسن نیت تو کوئی نتیجہ پیدا نہیں کرسکتی۔ اس کی شہادت قرآن مجید کی وہ آیات دے رہی ہیں جنہیں شروع میں درج کیا گیا ہے۔ ''احیاء اسلام'' کے نہایت مبارک مقصد کے حصول کے لئے جدوجہد کرنے والوں کی خدمت میں ہم گزارش کریں گے کہ اس مقصد کے حصول کے لئے سب سے پہلا کرنے کا کام یہ ہے کہ ''اسلام کیا ہے'' کے سوال کا غیر مبہم اور غیر اصطلاحی الفاظ میں جواب متعین کیا جائے اور پھر مختلف مسلم ممالک سے پوچھا جائے کہ وہاں کے مسلمان باشندے اس جواب سے متفق ہیں۔ اس کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ یہ بھی بتایا جائے کہ اس جواب کے صحیح ہونے کی سند کیا ہے۔ جب یہ بنیادی نقطہ طے پا جائے تو پھر اس اسلام کے احیاء کے لئے عملی قدم اٹھایا جائے۔ اور اس کے بعد وقتاً فوقتاً دیکھا اور پرکھا جائے کہ ہم اس نصب العین کے قریب تر ہوتے جارہے ہیں یا نہیں۔ احیاء اسلام کی کوششوں کے نتیجہ خیز ہونے کی یہی ایک شکل ہے۔ اگر ایسا نہیں کیا جاتا تو ہماری کوششوں کا نتیجہ اس کے سوا کچھ نہیں ہوگا کہ ہم اپنے دل کو جھوٹی تسلی دے لیں کہ ہم بڑا نیک کام کررہے ہیں' ان لوگوں کی طرح جن کے متعلق قرآن کریم نے کہا ہے: **وھم یحسبون انھم یحسنون صنعا** اور نتیجہ اس کا: **فحبطت اعمالھم** اور انجام کار: **اخسرین اعمالا۔**

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

محققین قرآن سے لے کر عام طالب علم تک کے لئے ایک

اہم خوشخبری

محترم مفکر قرآن جناب پرویز صاحب کی عمر بھر کی قرآنی بصیرت یعنی لغات القرآن' مفہوم القرآن' تبویب القرآن اور قرآنی قوانین کو جو پانچ ہزار صفحات پر انسائیکلوپیڈیا کی شکل اختیار کئے ہوئے ہے اسے بزم طلوع اسلام لاہور نے ایک ہی C.D. میں ایک خاص باہمی ربط کے ساتھ محفوظ کردیا ہے۔

خواہش مند حضرات ادارہ طلوع اسلام' 25 بی' گلبرگ 2' لاہور سے صرف مبلغ 75 روپے میں علاوہ ڈاک خرچ طلب فرمائیں۔

پمفلٹس--PAMPHLETS

ادارہ طلوع اسلام دینی موضوعات پر پمفلٹس شائع کرتا رہتا ہے۔

فی پمفلٹ قیمت 1 روپے ڈاک خرچ فی پمفلٹ 4 روپے کے حساب سے بھیج کر طلب فرمائیں۔

1- آرٹ اور اسلام
2- .....
3- اسلام کیا ہے؟
4- .....
5- اسلام آگے کیوں نہ چلا؟
6- .....
7- اسلام ہی کیوں سچا دین ہے؟
8- .....
9- اندھے کی لکڑی
10- بنیادی حقوق انسانیت اور قرآن
11- جہاں مارکس ناکام رہ گیا
12- حرام کی کمائی
13- .....
14- .....
15- دوقومی نظریہ
16- روٹی کا مسئلہ
17- .....
18- .....
19- .....
20- عورت قرآن کے آئینے میں
21- فرقے کیسے مٹ سکتے ہیں؟
22- قرآن کا سیاسی نظام
23- قرآن کا معاشی نظام
24- قوموں کے تمدن پر جنسیات کا اثر
25- کیا قائداعظمؒ پاکستان کو سیکولر سٹیٹ بنانا چاہتے تھے؟
26- کافرگری
27- .....
28- مقام اقبالؒ
29- مرزائیت اور طلوع اسلام
30- مقام محمدی ﷺ
31- ماؤزے تنگ اور قرآن
32- ہم میں کیریکٹر کیوں نہیں؟
33- ہیں کواکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ
34- Islamic Ideology
35- Is Islam a Failure?
36- Why Islam is the Only True Deen?
37- Parmanent Values
38- اسلامی قانون کی اصل و بنیاد کیا ہے؟
39- انسانیت کا آخری سہارا
40- پاکستان کی نئی ''زیارت گاہیں''
41- نماز کی اہمیت
42- ہم عید کیوں مناتے ہیں؟
43- Why Do We Lack Character?
44- ہندو کیا ہے؟
45- قوموں کی تعمیر فکر سے ہوتی ہے ہنگاموں سے نہیں!
46- ہماری نمازیں اور روزے بے نتیجہ کیوں ہیں؟
47- اسلامی مملکت کے سربراہ کی معاشی ذمہ داریاں
48- اے کشتۂ سلطانی و ملائی و پیری
49- قیامت موجود
50- اسلام اور مذہبی رواداری

بسم اللہ الرحمن الرحیم

علی محمد چدھڑ

انسانی معاشرہ کے ناسور

مترفین مادہ ت رف

الترفتہ۔ آسودگی، فراخی اور عیش۔ ترف۔ وہ آسودہ و خوشحال ہوا۔ اسے عیش و آرام کے سامان مل گئے۔ المترف۔ وہ شخص جو عیش و آرام کی زندگی بسر کر رہا ہو اور لذت و شھوات میں بڑھتا چلا جائے۔ جسے فراخی و عیش و آسودگی نے بدمست کر دیا ہو۔ جسے کثرت سے دولت میسر ہو اور اس کی بناء پر لیڈر بن جائے۔

اس کی جمع مترفون اور مترفین ہے جو کہ قرآن کی ایک اہم اصطلاح ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ جس رسول نے بھی دین کی دعوت دی۔ مترفین کے طبقہ نے سب سے پہلے اور سب سے بڑھ کر اس کی مخالفت کی۔ اس سے واضح ہے کہ خدا کی طرف سے بھیجا ہوا دین نظام سرمایہ داری کو ختم کرنا چاہتا تھا۔ اس لئے یہ طبقہ اس کی شدت سے مخالفت کرتا تھا۔ یہی شروع سے ہوتا چلا آیا ہے اور یہی آج بھی ہو رہا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو دوسروں کی محنت پر عیش و آرام کی زندگی بسر کرتے ہیں اور پھر دولت کے بل بوتے پر کاروبار حکومت چمکا لیتے ہیں۔ یہ عصر حاضر میں سرمایہ داروں اور جاگیرداروں کا طبقہ کہلاتا ہے جو محض اپنی دولت کے زور پر قوت و اقتدار حاصل کر لیتا ہے اور انہی کے ساجھے دار وہ مذہبی پیشوا بھی ہیں جو خود کوئی کام نہیں کرتے اور دوسروں کی کمائی پر تن آسانی کی زندگی بسر کرتے ہیں اور پھر انہی لوگوں پر حکومت بھی چلاتے ہیں جو انہیں لا لا کر کھلاتے ہیں۔ قرآن نے کہا ہے کہ یہ طبقہ بھی ہمارے قوانین و نظام کی مخالفت میں پیش پیش رہتا ہے۔ اور لوگوں کو یہ کہہ کر بھڑکاتا ہے کہ دیکھو کہ یہ داعی انقلاب اس مذہب کی مخالفت کرتا ہے جو تمہارے اسلاف سے چلا آ رہا ہے۔ مذہبی پیشوائیت گو ایک بے ضرر سی اصطلاح ہے لیکن حقیقت کی نگاہ سے دیکھا جائے تو اس کے حلقہ عقیدت کے پیش نظر، یہ سرمایہ داری، ملوکیت، آمریت اور جاگیرداری سب پر محیط ہے۔ لہٰذا ان تمام استبدادی نظامہائے کو مٹانے اور ایک مثالی نظام معاشرہ کے قیام کے لئے پہلے مذہبی پیشوائیت کو مٹانا نہایت ضروری ہے۔ آپ اقبال کے پیغام کو شروع سے لے کر آخر تک دیکھ جائیے۔ وہ آمریت اور سرمایہ داری کے ساتھ ساتھ مذہبی پیشوائیت کو بھی باعث عذاب قرار دیتا ہے۔ سود خوار و والی و ملا و پیر اور اے کشتہ سلطانی ملائی و پیری جیسے مصرعوں میں اسی طرف اشارہ ہے۔

یہاں اس حقیقت کی وضاحت ضروری ہے کہ مذہبی

پیشوائیت (خواہ وہ کسی مذہب کی ہو) سے مراد کوئی خاص افراد۔ جماعت۔ فقہ یا مسلک نہیں ہے۔ بلکہ یہ ایک مخصوص انسٹی ٹیوشن کا نام ہے جو اپنے ذاتی مقاصد کے لئے دین کی راہ میں حائل ہو جاتی ہے۔ قرآن سے پتہ چلتا ہے کہ یہ انسانی تاریخ کے ساتھ ہی وجود میں آ گئی تھی۔ حضرت نوحؑ سے خاتم النبیینؐ تک جتنے بھی برگزیدہ انبیاء کرامؑ آئے ان سب کو اس منفی قوت کے حامل مذہبی عالموں سے واسطہ پڑا۔ حکم اور فتوے ان کے چلتے تھے۔ ذمہ داری حکمرانوں کی ہوتی ہے۔ اس طبقہ کی سیاسی حیثیت ہوتی ہے نہ اسمبلی میں سیٹیں۔ پھر بھی جو چاہتے ہیں دوسروں کے کندھے پر بندوق رکھ کر کرا لیتے ہیں۔ بڑی عجیب حکمرانی ہے اس تھیا کریسی کی۔ کئی حکمران آئے اور کئی گئے لیکن مذہبی قلمرو میں نہ زوال آیا نہ تغیر۔ ان کے وضعی قوانین کی آسمانی حیثیت برقرار رہی۔ ان کا فرمودہ آج بھی اور کل بھی بہر صورت اٹل ہے۔ جو زبان سے نکلا قانون بن گیا۔

اندازہ فرمایا آپ نے کہ یہ نام نہاد مسلمانوں کے سچے خیر خواہ، سچے خادم اور غریب علماء کے روپ میں بے تاج بادشاہ۔ گذشتہ چودہ صدیوں سے کیوں اپنے اس مروجہ اسلام سے چمٹے ہوئے ہیں۔ مقصد ایک ہی ہے کہ وہ اپنے تخت سلیمانی سے دست بردار ہونے کے لئے تیار نہیں اور خلفائے راشدین کے دور کے تصور سے انہیں پسینہ آ جاتا ہے۔ قرآن سے وہ لوگ خائف ہیں اس لئے کہ اگر وہ دور آ گیا تو انہیں بن باس بھوگنا پڑے گا اور پھر جب کما کر کھانا پڑا تو ساری بزرگی، سارا تقدس، ساری پیشوائیت اور عیش و آرام کے سارے سامان ہوا ہو جائیں گے۔ یہی وجوہات ہیں کہ ہمارے یہ پیشوا حضرات اپنے موجودہ مذہب کو ہی دین کا رنگ دینے پر تلے رہتے ہیں اور ان کی مذہبی گرفت اتنی مضبوط ہے کہ اگر ہم دین کی شاہراہ پر چلنا چاہیں تو ہمارا رخ مذہبی پگڈنڈیوں کی جانب موڑ دیتے ہیں۔ قرآن مانگیں تو مثلہ، پیش کر دیتے ہیں، وحی کا متبادل انہوں نے وحی خفی کی صورت میں تلاش کر لیا ہے۔ الغرض ان تمام حیلہ سازیوں کو اس خوبصورتی سے آگے بڑھایا ہے کہ ہم دین کے بنیادی تصور سے ہی دور چلے گئے ہیں۔

اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ پیشوائیت اور دیگر منفی قوتوں کے علاوہ تحریک پاکستان کے حامی سیاست دان بھی اب اسلامی نظام کے حامی نہیں رہے۔ کوئی مغربی جمہوریت کی بات کرتا ہے تو کوئی فلاحی مملکت کی۔ کسی طرف سے قرآن کی آواز نہیں آتی۔ علامہ اقبالؒ کے اشعار سے ہر کوئی لطف اندوز ہوتا ہے لیکن جب ہم ۱۹۳۰ء میں پاکستان کے تصور کی بات کرتے ہیں جس میں علامہؒ صاحب نے کہا تھا کہ ایک ایسا خطۂ زمین حاصل کیا جائے جس میں قرآنی نظام متشکل ہو سکے اور جس میں حکمرانی صرف کتاب اللہ کی ہو، نیز اسی طرح امت ملوکیت، آمریت، سرمایہ داری اور تھیا کریسی کی زنجیروں سے آزاد ہو جائے تو انہیں سانپ سونگھ جاتا ہے۔

یہی سلوک قائداعظمؒ کے ساتھ ہے۔ ہر کوئی ان کے برابر کھڑا ہونے کی کوشش کرتا ہے اور توقع کرتا ہے کہ اسے قائداعظم ثانی کہا جائے۔ لیکن جب انہیں بتایا جائے کہ قائداعظم نے تحریک پاکستان کے دوران ہی جواباً یہ اعلان کر دیا تھا کہ ہمارے پاکستان میں حکمرانی صرف کتاب اللہ کی ہوگی تو وہ ایک دوسرے کو تکنے لگ جاتے ہیں گویا یہ ان کے لئے بڑے اچنبھے کی بات ہے۔

۱۹۴۸ء میں قائداعظمؒ نے اہل امریکہ کے نام ایک پیغام براڈ کاسٹ کرتے ہوئے فرمایا کہ خواہ کچھ بھی ہو۔ یہ مسلمہ

بات ہے کہ پاکستان میں کسی صورت میں بھی تھیا کریسی رائج نہیں ہوگی۔ جس میں حکومت مذہبی پیشواؤں کے ہاتھ میں دے دی جاتی ہے کہ (وہ بزعم خویش) خدائی مشن کو پورا کریں۔

پچھلے دنوں روزنامہ نوائے وقت نے ایک مذاکرے کا انتظام کیا تھا۔ جس میں چیف ایڈیٹر صاحب نے فرمایا تھا کہ ہم نے خدا کے ساتھ ایک وعدہ کیا تھا کہ ہم مملکت خداداد میں اسلامی قانون نافذ کریں گے لیکن ہم خدا کے ساتھ وعدہ خلافی کے مرتکب ہوئے ہیں۔ خداوند کریم ہمیں کسی مزید آزمائش سے بچائے اور اپنا وعدہ ایفا کرنے کی توفیق بخشے۔ حیرانی کی بات ہے کہ اس مذاکرے میں شامل جو دو مشہور قانون دان تھے انہوں نے سرے سے وعدے کا ہی انکار کر دیا کہ ہم نے خدا کے ساتھ کوئی وعدہ ہی نہیں کیا تھا۔ لہٰذا وعدہ خلافی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اف! میرے خدا تو بہتر جانتا ہے اور ہمارے اعمال کے علاوہ ہماری نیتوں سے بھی خوب واقف ہے۔ قوم کی بدقسمتی کہ جب پاکستان ذرا ابھرا تو اس وقت نہ علامہ اقبالؒ اور نہ قائداعظمؒ موجود تھے اور اقبالؒ کے الفاظ میں شاہینوں کا یہ نشیمن زاغوں کے تصرف میں چلا گیا۔ اگر ہمارے قائداعظمؒ کو دو چار سال کی مہلت مل جاتی تو آج پاکستان کے عوام اور مملکت کی موجودہ حالت یہ نہ ہوتی۔ بہرحال جن الفاظ سے انہوں نے مجرم طاقتوں کو للکارا وہ ناقابل فراموش ہیں اور تاریخ نے انہیں محفوظ کر لیا ہے۔ انہوں نے فرمایا۔ ''میں اس مقام پر زمینداروں اور سرمایہ داروں کو بھی متنبہ کرنا چاہتا ہوں، وہ ایک ایسے فتنہ انگیز ابلیسی نظام کی رو سے جو انسان کو ایسا بدمست کر دیتا ہے کہ وہ کسی معقول بات کو سننے کے لئے بھی آمادہ نہیں ہوتا، عوام کے گاڑھے پسینے کی کمائی پر رنگ رلیاں مناتے ہیں۔ عوام کی محنت کو غصب کر لینے کا جذبہ ان کے رگ و پے میں سرایت کر چکا ہے۔''

''میں اکثر دیہات میں گیا ہوں۔ وہاں میں نے دیکھا ہے کہ لاکھوں خدا کے بندے ہیں جنہیں ایک وقت بھی پیٹ بھر کر روٹی نہیں ملتی۔ کیا اسی کا نام تہذیب ہے۔ کیا یہی پاکستان کا مقصد ہے۔ تو میں ایسے پاکستان سے باز آیا۔ اگر ان سرمایہ داروں کے دماغ میں معاش کی ذرا بھی رمق باقی ہے تو انہیں بدلتے ہوئے تقاضوں کے ساتھ چلنا ہوگا۔ اگر انہوں نے ایسا نہ کیا تو ان کا خدا حافظ ہم ان کی کوئی مدد نہیں کر سکتے۔'' (اقبال اور قرآن، ص ۳۶۰)

یاد رہے کہ تحریک پاکستان کے تمام قائدین تھیا کریسی کے خلاف تھے لیکن یہ نہیں کہ ان کی کوئی ذاتی پرخاش تھی بلکہ ان کی دوستی اور دشمنی محض برائے دین خداوندی تھی۔ اور انہوں نے جو بار بار اسلام کے بنیادی اصولوں اور قرآن کا ذکر کیا ہے تو وہ سب کچھ صرف اس صورت میں ممکن تھا جب تھیا کریسی کی نفی کی جاتی۔ چنانچہ مذہب اور دین کی کش مکش میں طلوع اسلام نے جو ہراول دستے کا کام کیا ہے۔ وہ ہمیشہ یادگار رہے گا۔ اس نے ڈنکے کی چوٹ سے برملا طور پر اعلان کر دیا کہ مولوی کا مذہب اور دین خداوندی ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ جو چیز ایک کے لئے لباس ہے وہ دوسرے کے لئے کفن ہے۔ مذہب کے ہوتے ہوئے دین کا اجراء کبھی نہیں ہو سکتا۔ یہ مخالف سمتیں اور متضاد نظریات ہیں۔ جس طرح ایک ہی وقت میں مشرق اور مغرب کی جانب پیش قدمی ممکن نہیں۔ اسی طرح دین کے علمبرداروں کے لئے بھی مذہب کی خاطر کوئی نرم گوشہ نہیں۔

طلوع اسلام قرآن کی روشنی میں خلافت علیٰ منہاج رسالت پیش کرتا ہے۔ اگر اس کی زد میں ملائیت بھی آ جاتی ہے تو

اس میں طلوع اسلام پر کوئی الزام نہیں۔ وہ حضور کے وقت کے سنہری اور مثالی دور کے لئے کوشاں ہے۔ جس کا فطری نتیجہ ملا ازم کے اقتدار کا خاتمہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے پاکستان کو بھرپور مالی و مادی وسائل اور پاکستان کے عوام کو ذہنی صلاحیتوں سے پوری طرح مالا مال کیا ہوا ہے لیکن یہ بڑے بڑے گرگے قسم کے مجرمین اس امر کی تدبیر کرتے رہتے ہیں کہ ان کے قائم کردہ غلط نظام کے بندھن ٹوٹنے نہ پائیں۔ لہٰذا اگر اکابر مجرمین اور مترفین جو دوسروں کی کمائی پر عیش و عشرت کی زندگی بسر کرتے ہیں' سے معاشرہ کے وسائل کو بچا لیا جائے تو کاروان ملت کو کافی ریلیف مل سکتا ہے۔ نیز ہمارا خیال ہے کہ اگر ہم میں اسلام کے سنہری اصولوں کے مطابق اوصاف پیدا ہو جائیں تو ہم اپنے ملک پاکستان کو ہمہ گیر ترقی سے ہمکنار کر سکتے ہیں۔ چین میں تیار ہونے والی تمام اشیاء کی آج دنیا بھر میں مانگ ہے کبھی کہیں سے یہ شکایت سننے میں نہیں آئی کہ چین کے مالی اداروں نے کبھی بھی غیر ملکی خریداروں کے اعتماد کو ٹھیس پہنچائی ہو۔ چین کے وزیر اعظم چوین لائی سے پاکستان کی ایک صحافی نے ان سے پاکستان کے عوام کے لئے کوئی پیغام دینے کو کہا۔ تو چوین لائی نے کہا کہ میری طرف سے پاکستان کے لوگوں کو یہ پیغام دے دو کہ وہ صحیح مسلمان بن جائیں۔ ہم چون لائی (مرحوم) کی تمناؤں کی دل سے قدر کرتے ہیں لیکن اگر پاکستان کے لوگ مسلمان بن جاتے تو آج پاکستان بھی چین کی طرح محدود مدت میں سپر طاقت بن جاتا۔ ایک عام چینی ایک عام پاکستانی کی نسبت پانچ گنا بہتر گزر اوقات نہ کرتا اور ایک پاکستانی وزیر چینی وزیر کی نسبت پچاس گنا زیادہ عیش و عشرت سے نہ رہتا۔ آنجہانی چوین لائی کے متعلق مشہور ہے کہ وہ اکثر بائیسکل پر دفتر جاتے تھے جبکہ پاکستانی وزراء کے ہر گھر میں سرکاری اور ذاتی کل ملا کر نہ جانے کتنی کاریں موجود ہیں۔ چین میں مساوات ایک حقیقت ہے اور اسلام کے نام پر بننے والے پاکستان میں مساوات ایک خواب ہے۔ اور اس کی تمام تر ذمہ داری ہماری Ruling Class پر ہے۔ جو عیش و عشرت اور تن آسانی کی مجرمانہ زندگی بسر کر رہے ہیں۔ ان کے لئے لا اینڈ آرڈر کی کوئی اہمیت نہیں اور بقول شاعر۔

قیدِ قانون سے بری ہیں آپ
شخصیات اسقدر بڑی ہیں آپ
آپ کو سات خون بھی ہیں معاف
ممبران اسمبلی ہیں آپ

غرضیکہ ان کا ڈیرہ اجرتی قاتلوں اور جرائم کی آماجگاہ بنا رہتا ہے۔ موجودہ دور میں جاگیردار' وڈیرے' سردار' خوانین بڑی بڑی خانقاہوں کے گدی نشین' مترفین کی صحیح شکل میں ہمارے سامنے ہیں۔ اور جب تک معاشرہ کے یہ ناسور باقی ہیں ہماری حالت میں نہ کوئی انقلاب آ سکتا ہے اور نہ ہم اسلامی قانون کا خواب دیکھ سکتے ہیں۔

اسلامی قانون اور ایک جنتی معاشرہ کا تیر بہ ہدف نسخہ یہ ہے کہ کوفہ کا عامل عتبہ بن فرقد ملاقات کے لئے آیا تو امیر المومنینؓ کھانا کھا رہے تھے۔ کھانے میں جو کی روٹی تھی مہمان نے کہا کہ امیر المومنین آپ جو کی روٹی کیوں کھاتے ہیں گیہوں کی روٹی کیوں نہیں کھاتے تو آپ نے کہا کہ ابن فرقد عمرؓ کو اس وقت اس کا یقین ہے کہ مملکت میں ہر شخص کو کم از کم جو کی روٹی میسر آ رہی ہے۔ وہ گیہوں کی روٹی اس دن کھائے گا جس دن اسے اطمینان ہو جائے گا

کہ گیہوں کی روٹی ہر شخص کو مل رہی ہے۔

اس جنتی معاشرہ کے تیر بہ ہدف نسخہ سے ہم تو کوئی اثر نہ لے سکے البتہ ہمارے ہمسائے صدر ماؤ کے ۱۰۰ کروڑ چینی عوام نے اس نسخے کو تعویز بنا کر گلے میں ڈال لیا اور آج دنیا کی سپر طاقت بن کر امریکہ جیسے سپر ملک کے لئے ایک چیلنج بنے ہوئے ہیں۔ جمیل الدین عالی ایک مشہور شاعر اور ادیب اپنے مستقل کالم ''نقار خانے'' میں لکھتے ہیں کہ میں چین پہلی بار ۱۹۶۶ء میں گیا انقلاب۔ اکتوبر کا جلوس دیکھا۔ اس دن تن چوک سے صدر ماؤ کے سامنے کوئی پندرہ لاکھ چینی مارچ کرتے ہوئے گزرے۔ صبح ۱۰ بجے سہ پہر تک اتنا بڑا تن من چوک بھرا رہا۔ صدر ماؤ کبھی تو سلامی کے چبوترے پر کھڑے رہ کر مسلسل ہاتھ ہلاتے اور کبھی ایک طرف ہو کر بیٹھ جاتے۔ مجھے چبوترے کے قریب ہی جگہ ملی تھی۔ میں نے انہیں خوب اور بہت نزدیک سے بہت دیر تک دیکھا۔ میں نے دیکھا کہ ان کے جوتوں میں پیوند لگے ہوئے ہیں۔ اپنے مترجم ساتھی مسٹر چو سے دریافت کیا کہ یہ کیا معاملہ ہے۔ جوتوں میں پیوند لگے ہوئے ہیں۔ وہ مسکرائے اور بولے کہ ہم چینی پچھتر کروڑ ہیں' غریب ہو کر بھی یہ ایک بہت بڑی معیشت ہے۔ کیا ہم اپنے راہ نما باپ کو بے پیوند لگے جوتے فراہم نہیں کر سکتے۔ مگر ابھی ہمارے ہاں نئے جوتے مطلوبہ تعداد میں نہیں بن رہے۔۔ صدر ماؤ کہتے ہیں جب تک چینیوں کو ایک ایک جوڑا فراہم نہیں ہو جائے گا۔ میں اپنے جوتے نہیں بدلوں گا!! (روزنامہ جنگ ۲۲ اکتوبر ۱۹۹۰ء)

یہ کشمکش حیات کی دنیا ہے۔ یہاں حق و باطل کے اصول کارفرما ہیں۔ یعنی ہر باطل کے مقدر میں تباہی ہے اور حق بہر صورت سرخرو ہو کر رہتا ہے۔ قرآن اپنے اس دعویٰ کی صداقت میں اقوام سابقہ کے شواہد پیش کرتا ہے اور قوم ثمود کی مثال پیش کرتے ہوئے کہتا ہے کہ انہیں سمجھایا گیا لیکن وہ اس ظالمانہ روش سے باز نہ آئے نتیجہ وہی ہوا جو ایسے جرائم کا ہونا چاہئے۔ ان کی بستیاں اس طرح برباد ہوگئیں گویا ان میں کبھی کوئی بسا ہی نہ تھا۔

یہی کچھ مترفین کے گروہ کے ساتھ ہوا۔ جن کا تذکرہ پچھلے چند اوراق میں کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سارے قرآن میں مختلف جگہوں پر تفصیلاً ذکر محض اس لئے کیا ہے کہ حق و صداقت کو جھٹلانے والے لوگ اس سے عبرت پکڑیں اور قوانین خداوندی کی مخالفت چھوڑ دیں۔ یہاں چند آیات کا مفہوم مترفین کے حوالے سے پیش کیا جاتا ہے تاکہ ہم اس گروہ کی صحیح کارستانیوں سے واقف ہو جائیں۔ ملاحظہ فرمائیں:

یہ مفاد پرست قوتیں چاہتی ہیں کہ نظام خداوندی کی روشنی کو بجھا دیں' پھونکیں مار مار کے لیکن یاد رکھو اللہ ایسا کر کے رہے گا کہ اپنے نظام کی روشنی سے دنیا کو منور کر دے خواہ یہ بات مفاد پرست قوتوں پر کتنی ہی ناگوار کیوں نہ گزرے۔ اس مقصد کی تکمیل کے لئے اللہ نے اپنے رسول کو بھیجا ہے۔ ہدایت اور حق پر مبنی ضابطۂ حیات کے ساتھ تاکہ اسے غالب کر دے دیگر نظامہائے زندگی پر' خواہ یہ بات ان لوگوں پر کتنی ہی ناگوار کیوں نہ گزرے جو اللہ کے نظام کے ساتھ دیگر نظاموں کو شریک کرنا چاہتے ہیں۔ سو اے اہل ایمان خبردار رہنا سرمایہ داروں کے ساجھے داروں سے ملاؤں اور پیروں سے جن کی اکثریت کا یہ حال ہے کہ لوگوں کا مال کھا جاتے ہیں۔ جھوٹ اور فریب سے اور رکاوٹ بنے ہوئے ہیں۔ اللہ کے نظام کے سامنے لہٰذا سرمایہ داروں اور ان کے ساجھے داروں کو آگاہ کر دو کہ جو لوگ سونا اور چاندی' مال و دولت جمع کرتے

ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کر دیتے انہیں دردناک عذاب دیا جائے گا' جب اس مال و دولت کو نار جہنم میں تپایا جائے گا اور اس سے داغا جائے گا ان کی پیشانیوں کو ان کے پہلوؤں کو اور ان کی پیٹھوں کو۔ اور کہا جائے گا یہ ہے مال و دولت جسے تم نے اپنے لئے جمع کیا لہٰذا اب مزا چکھو۔ اپنے جمع کرنے کا۔ (۹/۳۲-۳۵)

لوگو! تمہاری طرف یہ ضابطہ حیات جو نازل کیا گیا ہے تو اس میں تمہارا ہی ذکر ہے اور یہ تمہاری ہی راہنمائی کے لئے ہے۔ تو کیا تم عقل و بصیرت سے کام نہیں لو گے۔ دیکھو کتنی ہی قومیں گزر گئیں جو اپنے ہی ظلم کی وجہ سے تباہ و برباد ہوئیں پھر ان کے بعد ان کی جگہ دوسری قوموں کو اٹھا کھڑا کیا گیا۔ لیکن کچھ عرصہ کے بعد وہ بھی اسی روش پر چل پڑیں۔ اور جب ان کے اعمال کے نتائج بھی ان کے سامنے محسوس طور پر آ گئے تو لگے بھاگنے۔ لیکن اب بھاگنے کا کونسا موقع تھا چنانچہ ہمارے قانون مکافات نے للکارا کہ اب مت بھاگو۔ اور واپس اپنی عیش سامانیوں کی طرف چلو۔ اور اپنے ان محلات کی طرف پلٹو تا کہ تم سے پوچھا جائے یہ کس کی محنت سے بنے تھے اور تمہارا ان پر کیا حق تھا۔ اس وقت انہیں حقیقت کا اعتراف کئے بغیر چارہ نہ تھا کہ وہ واقعی ظالم تھے اور اپنے کئے پر سخت متاسف۔ وہ یہ کچھ کہتے رہے لیکن ہمارے قانون مکافات نے انہیں ایسے کر دیا جیسے کٹا ہوا کھیت یا جیسے بجھا ہوا شعلہ۔ (۱۵/۱۰-۲۱)

اور اہل جہنم کی بدنصیبی کا کیا پوچھنا کہ ان کے لئے جھلسا دینے والی لو کھولتا ہوا پانی اور سیاہ دھوئیں کے سائے ہوں گے۔ ان کے لئے آسائشیں ہوں گی نہ عزت و توقیر۔ اس لئے کہ یہ لوگ قبل ازیں دوسروں کی محنت پر تن آسانی اور عیش کی زندگی بسر کرتے تھے اور انہیں اس مجرمانہ روش پر چلنے کا اصرار تھا۔ اور کسی طرح بھی اس جرم کبیر کو چھوڑنے پر تیار نہ تھے (۴۶/۴۱-۵۶)

یہ مفاد پرست اور استحصالی طبقہ کے لوگ جب اپنے اعمال کے ہاتھوں گرفتار ہو جاتے ہیں۔ اس وقت تم دیکھو گے کہ یہ کس طرح چیختے چلاتے ہیں اور آہ و زاری کرتے ہیں۔ ان سے کہا جائے گا اب اس چیخ پکار اور نالہ و فریاد سے کچھ حاصل نہیں۔ ہماری طرف سے تمہاری کوئی مدد نہیں کی جائے گی۔ تمہاری تو یہ کیفیت تھی کہ جب ہمارے قوانین تمہارے سامنے پیش کئے جاتے تو تم انہیں سننا تک گوارا نہ کرتے تھے۔ اور تکبر سے منہ موڑ لیا کرتے تھے۔ اور تمہاری محفلوں میں داستان آرائیوں اور یاوہ گویوں کے سوا کچھ نہ ہوتا تھا۔ (۲۳/۶۴-۶۶)

ضرورت رشتہ

دو بیٹیوں کے لئے جو بتدریج عمر 21 سال طالبہ بی۔اے پارٹ ۱' دوسری عمر 19 سال طالبہ ایف۔اے پارٹ ۱' مناسب و موزوں' برسر روزگار لڑکوں کے رشتے مطلوب ہیں۔ تمام معاملات انتہائی سادگی سے طے ہوں گے۔ بذریعہ خط و کتابت درج ذیل پتہ پر رابطہ فرمائیں۔

الف۔ن معرفت ناظم ادارہ طلوع اسلام' ۲۵ بی' گلبرگ ۲' لاہور

فون نمبر: 571 4546 (092-42)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ڈاکٹر حبیب الرحمٰن خان، ایم ڈی

مسلمان اور زمانے کے بدلتے ہوئے حالات

آیئے غور کریں کہ گذشتہ چند ماہ کے واقعات ہمیں جھنجھوڑ کر دن بدن بدلتے ہوئے حالات کے متعلق سوچنے، غور کرنے اور تیزی سے بدلتے ہوئے منظر کا جائزہ اور اپنے طرف سے ان کا مقابلہ کرنے کے لئے مجبور کر رہے ہیں؟ کیا ہم اب بھی سوتے رہیں گے؟

جملہ انسانوں کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ایک وہ جو قانون فطرت ہی کو سب کچھ سمجھتے ہیں۔ انہیں سمجھتے اور ان پر عبور حاصل کر کے دنیا میں ترقی کر رہے ہیں۔ یہ قرآن مجید کے مطابق انسان کا فریضہ ہے کہ قانون فطرت کو سمجھ کر استعمال کرے۔ یہاں تک مغرب والے تو پہنچ گئے ہیں لیکن مسلمان اس راستہ پر تاریخی اعتبار سے، کچھ دیر چل کر اسے چھوڑ چکے ہیں۔ دوسرے وہ لوگ ہیں جو قانون فطرت کے ساتھ وحی کی رہنمائی کو انسان کی ترقی کے لئے نہایت اہم اور ضروری سمجھتے ہیں۔

مسلمانوں نے تاریخ کے ابتدائی دور میں ان دونوں پر عمل کیا اور نتیجتاً وہ ترقی کی منزلیں طے کرتے رہے اور اپنے وقت میں دنیا کی دوسری قوموں کو بھی راہ دکھاتے رہے۔ آج کل کے حالات یہ ہیں کہ مسلمان قوانین فطرت کو سمجھ کر ترقی کرنا تو ایک طرف اپنے آخری نبیؐ کی لائی ہوئی آخری ہدایت قرآن سے بھی دور ہو گئے ہیں۔ قرآن مجید اس لئے دیا گیا تھا کہ اسے پڑھا جائے، سمجھا جائے اور اس کے مطابق جملہ شعبہ ہائے زندگی پر عمل کیا جائے۔

"آمنو و عمل الصالحات" ایمان وہ جس کا مظاہرہ صالح عمل سے کیا جائے۔ کیا ہم قرآن مجید کو اس لئے پڑھتے ہیں کہ سمجھ کر اس پر عمل کیا جائے۔ ایسا نہیں تو پھر نتیجہ کہاں سے نکلے گا۔

اس وقت صورت حال یہ ہے کہ دنیا کے بیشتر ممالک اور قومیں مسلمانوں کو پسند نہیں کرتیں۔ ان کی مخالف ہیں (اگر لفظ دشمن استعمال نہ بھی کیا جائے)۔

کیا گذشتہ چند ماہ کی باتیں/ واقعات ہمیں اپنے حالات کا جائزہ لینے اور اس نفرت کی وجہ کا پتہ لگانے پر مجبور نہیں کر رہیں؟

ہم اسلامی احکام کی روح کو سمجھے بغیر ان کے Symbols، ان کے ظواہر کو رسمی طور پر ادا کرنے کو سب کچھ سمجھتے ہیں۔ وہ نماز ہو، روزہ ہو، زکوٰۃ ہو یا حج ہو۔ ہر رکن عبادت آپ کو کچھ عمل کرنے کی تعلیم دیتا ہے نہ کہ صرف الفاظ

دہرانے کی۔ کیا ہم عبادات کو معاملات کے ساتھ جوڑتے ہیں؟ کیا ہم ہر عبادت سے ذمہ داریاں نبھانا اور جوابدہ ہونا سیکھتے ہیں؟ اگر یہ ہم نہیں کرتے تو پھر بہتر نتیجہ کی غلط امید کیوں کرتے ہیں؟

تمام عبادات کا مقصد آپ کو بہتر انسان اور پھر بہتر مسلم بنانا ہے کیا ہم نے محسوس کیا کہ وحی خداوندی انسانیت کے لئے پروگرام دیتی ہے۔ جس پر سمجھ کر عمل کرنے سے انسانیت کی فلاح و بہبود ہے- قرآن انسان کے لئے پروگرام دیتا ہے' صرف مسلمانوں کے لئے نہیں' لیکن چونکہ پہلے مخاطب مسلمان ہیں کہ وہ اسے سمجھ کر عمل کریں اور اس تعلیم کو دوسروں تک پہنچائیں اور اپنے عمل کو بطور نمونہ پیش کریں لیکن حالت یہ ہے کہ مسلم ممالک ان باتوں کی طرف انفرادی' اجتماعی اور ملکی ذرائع ابلاغ کے منظم طریقہ سے اسلامی تعلیم (قرآنی تعلیم) نشر نہیں کر رہے۔ دوسرے ممالک اپنے مذہب کی تعلیم کو ہر طریقہ سے بین الاقوامی طور پر آگے بڑھا رہے ہیں۔ گو کہ ہم پر فرض ہے کہ نبوت ختم ہو جانے کے بعد رسالت یعنی قرآن کی تعلیم کو انفرادی اور اجتماعی طور پر موثر طریقہ پر پوری دنیا کے سامنے پیش کریں اور بات یہاں ختم نہیں ہو جاتی اس پر زندگی کے ہر گوشہ میں عمل کر کے دکھانا ہے۔ اس سے مقصود یہ ہے کہ اللہ جماعت مومنین کو ان کے ایمان و عمل صالح کے نتیجہ کے طور پر وہ جنتی معاشرہ عطا کر دے جس کی خوشگواریوں میں کبھی فرق نہیں آتا' قرآن مجید کی ہدایت زمان و مکان سے بالاتر ہے۔

اس کے لئے قرآن نے ایک واضح پروگرام دیا ہے جس پر سمجھ کر عمل کرنا ایمان والوں کا فریضہ ہے یہ اس نظام خداوندی کی محکمیت پر یقین کامل رکھیں اور اس مقصد کے لئے ہر وقت کوشاں اور سرگرداں رہیں۔

اس کی عملی شکل آخری نبیؐ اور ان کے بعد خلفاء راشدینؓ کے ہاتھوں عمل میں آئی۔ جب بھی دنیا کے کسی حصہ میں اور کسی زمانے میں اس پر عمل ہو گا نتیجہ وہی نکلے گا جو حضورؐ یا خلفاء راشدین کے زمانے میں نکلا تھا۔

اللہ تعالیٰ ہر اس جماعت کو جو اس کے قوانین کی صداقت پر ایمان لا کر اس کے بتائے ہوئے پروگرام پر عمل پیرا ہوتی ہے اس امر کا وعدہ کرتا ہے کہ ان کی کوششوں کا ننھا سا بیج تمام خطرات سے محفوظ رہے گا اور اس کی کھیتی پک کر ثمرات کی حامل ہو جائے گی۔ لیکن اس کے لئے سخت قسم کی محنت اور استقامت کی ضرورت ہو گی جس قسم کی محنت اور استقامت کا ثبوت کسان دیتا ہے' تخم صالح قوانین فطرت سے مطابقت' مسلسل محنت اور استقلال کھیتی کی برومندی کے لئے یہ تمام شرائط لاینفک ہیں۔

کیا ہم نے غور کیا کہ مسلمانوں کو کتنی کامیاب سازش کے ساتھ قرآن مجید اور اس کی تعلیم سے دور کیا گیا ہے۔ وہ ہدایت یا نسخہ جو انسانوں کی فلاح و بہبود کی رہنمائی کرتا ہے اسے صرف پڑھنے یا مردوں کو بخشوانے تک محدود کر دیا گیا ہے۔

اسے پڑھنا ہی نہیں اس کو سمجھ کر اس پر عمل کرنا مقصود ہے' اس کی تعلیم کو دل کی گہرائیوں تک اتارنا ہو گا' اس کے بعد جو عمل ہو گا وہ نتیجہ نکال کر رہے گا۔ قانون خداوندی تبدیل نہیں ہوتا اور محفوظ ہے اور اس کی حفاظت کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے

خود لی ہے۔ اس پر صحیح عمل سے آپ کی ذات کی انفرادی اور اجتماعی کردار سازی ہوتی ہے۔ اس قرآنی تعلیم و تربیت کے ساتھ ہر قسم کی تعلیم پر لگا تار تحقیق اور تدبیر بھی شامل ہے۔ جب ہم نے اس پر عمل کیا' کوئی شعبہ زندگی ایسا نہ تھا جس میں ہم نے ترقی نہ کی ہو۔

آج کے دور میں مسلمانان عالم کی آبادی عیسائی آبادی سے کچھ کم ہے۔ پھر بھی ایک ارب سے زیادہ ہے۔ ۵۲ یا ۵۴ آزاد مسلم ممالک ہیں۔ دنیا میں جغرافیائی حساب سے بہتر سے بہتر جگہ آباد ہیں۔ قدرتی وسائل کے اعتبار سے یہ مالا مال ہیں۔ اس کی ایک آرگنائزیشن بھی ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ مسلمانوں اور ان کی Organization کی کوئی وقعت نہیں' U.N میں ان کا کوئی اثر نہیں۔ یہ سب OIC کے نام کے ممبر ہیں۔ ان کے پیچھے کوئی طاقت نہیں کہ ان کی آواز موثر ہو سکے۔ یہاں نہ اتفاق (Unity) ہے نہ ایمان (Faith) اور نہ تنظیم (Discipline) یہ ان لوگوں کی حالت ہے جن کی بنیاد ایک اللہ ایک رسول ایک قرآن پر ہے۔

اب نہ ہمارا کوئی سینٹر ہے نہ سینٹر کو چلانے والی طاقت۔ کسی انجمن/ پارٹی (Organization) کو چلانے کے لئے طاقت درکار ہوتی ہے۔ فرداً گر ممکن نہ ہو تو اس کے چلانے کے لئے Executive Committee ہو جس کے پیچھے اس کے فیصلوں پر عمل کرانے کی طاقت موجود ہو۔

موجودہ دور میں ایک Organization ہے او۔ آئی۔ سی جس کے متعلق کہا جا سکتا ہے کہ: ہر چند کہیں کہ ہے نہیں ہے۔ فیصلوں کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے اس لئے کہ اس کے پیچھے کوئی طاقت نہیں۔۔ عصا نہ ہو تو کلیمی ہے کار بے بنیاد۔ اگر ان ممالک اور ان کی انجمن اور ان کے فیصلوں کا کچھ وزن ہوتا تو اس کو دوسری مملکتوں کے ہم پلہ سمجھا جاتا بلکہ انہیں یوں نظر انداز نہ کیا جاتا۔ U.N.O کو معلوم ہوتا کہ اس کے فیصلوں کو نہ ماننے کے نتائج کیا ہوں گے۔

ہر ملک کو چاہئے کہ اپنے لوگوں کی تعلیم و تربیت اسلامی بنیادوں پر کریں اور اس پس منظر کے ساتھ' ٹیکنالوجی سے لیس ہو کر دوسری مملکتوں کے ہم پلہ بلکہ ان سے برتر اور زیادہ طاقت ور بن کر ابھریں تا کہ مخالفین آپ کو نظر انداز کرنے سے خائف رہیں۔

ضرورت ہے کہ اس موجودہ او۔ آئی۔ سی (O.I.C) کو اتنا مضبوط بنائیں کہ یہ ملت کے Secretariat کے فرائض انجام دے سکے۔ اس کے جنرل اجلاس بھی ہونا چاہئیں اور Executive Committee مجلس نافذہ کے بھی ہر تیسرے مہینے میں اور ضرورت پڑے تو جلدی بھی۔ ہر شعبہ زندگی کے لئے مختلف کمیٹیاں بھی ہوں مثلاً تعلیم و تربیت' جدید سائنسی اور ٹیکنالوجیکل ترقی' ذرائع ابلاغ' زراعت' جنگلات اور ان کی ترقی' معدنی ذخائر اور ان کا استعمال' تجارت و صنعت' قانون و عدل اور انصاف' قانون نافذ کرنے اور بنانے کے طریقے' پولیس اور فوج' Ships اور Land, Sea and Air Defence' اسلامی قوانین اور اس کے مطابق تربیت وغیرہ۔ موجودہ او۔ آئی۔ سی کا مرکز کیونکہ جدہ میں ہے

یعنی مکہ مکرمہ کے قریب' اس مرکز کی اہمیت پوری دنیا میں عملاً محسوس کرانی ہے۔ سال میں ایک مرتبہ حج اور وقت ضرورت Emergency میں کئی بار عمرہ کا حکم ہے۔ اس کے معنی ہیں عبادات کے ساتھ معاملات بھی کم اہم نہیں۔ اس کے لئے پوری دنیائے اسلام سے مختلف شعبہ زندگی کے ماہر عالم' ہر شعبہ کے سائنس دان اپنے شعبہ کے حالات مشکلات اور اس کے حل کے لئے ہر سال حج کی پہلی تاریخ سے ۶۔۷ تاریخ تک اپنے مسائل اور ان کا حل تلاش کریں۔ ابتداء مسلمانوں سے' بعد میں نوع انسان کے لئے اس سلسلہ میں او۔آئی۔سی کی مقررہ کردہ کمیٹیاں سال بھر مصروف کار رہیں اور اپنے شعبے کے مسائل اور اس کے مختلف حل اس ہفتہ میں اپنے شعبے کے ماہرین کے سامنے پیش کریں۔ آخر میں ہر مضمون کے ماہر اکٹھے بیٹھ کر اس کا جائزہ لیں کہ کون سے مسائل و مشکلات کے حل کو ترجیح دی جائے اور ان کو اس سال کے لئے اپنا نصب العین پاس کر کے ۹ تاریخ کو خطبہ حج میں اعلان کریں۔ ۱۰ تاریخ کو جب باقی مومنین عیدیں مناتے ہیں انہیں اور باقی دنیا کے لوگوں کو بھی اس کا علم ہو۔

پھر سال بھر ہر مسلم ملک یا جہاں مسلمان اقلیت میں رہتے ہیں وہ سب مل کر اس پر عمل کریں اور دوسرے سال پھر جمع ہو کر اپنے نصب العین کی کامیابی کا جائزہ لیں کہ کیا رکاوٹیں حائل ہوئیں۔ مختلف کمیٹیاں اپنے حدود کے واقعات کا تجزیہ کر کے اس کے حل آپس میں مشورہ کے بعد نکالیں اور اس کے بعد خطبہ حج میں ان کا اعلان کریں اور یہ سلسلہ ہر سال قائم رہے۔

کیا ہم اس کا جائزہ نہیں لیتے کہ اس وقت دنیا میں اگر کہیں تباہی' بربادی آ رہی ہے یا لائی جا رہی ہے وہ سب کے سب مسلمان ملک ہیں۔ کشمیر میں U.N.O ریزولیوشن کے باوجود کس طرح ۷ لاکھ سے زائد ہندوستانی فوجی مسلمانوں کو کشمیر میں تباہ و برباد کر رہے ہیں۔ فلسطینیوں کو اپنے ملک سے نکال کر اسرائیل فلسطینیوں کو ختم کرنے میں مصروف ہیں۔ افغانستان میں ایک یا دو افراد کو بہانہ بنا کر پورا ملک تباہ و برباد کر دیا۔ اور تعجب ہے کہ U.N.O بھی اس میں شامل ہے۔ اگر مسلمانوں میں بھی یکجہتی وطاقت وقوت ہوتی تو شائد حالات مختلف ہوتے۔ افغانستان کے ایک یا دو اشخاص یا اس ملک کے جذباتی فیصلہ نے اپنے ملک ہی کو تباہ و برباد نہیں کیا تمام مسلمانوں کے خلاف نفرت اور پریشانی اور تباہی کا موقع فراہم کر دیا جس طرح عراق نے کویت پر حملہ کر کے امریکہ کو موقع دیا کہ وہ حملہ کر کے عرب ممالک کے ذرائع آمدنی پر قابض ہو جائیں۔

دنیا ہمیں سوچنے پر مجبور کر رہی ہے کہ ہم حج کے موقع کو عبادات کے ساتھ ساتھ اسلامی کانفرنس اور باہمی مشاورت کے ذریعے درپیش مشکلات اور مسائل کا حل تلاش کریں اور اس پر عمل کریں تاکہ دنیا محسوس کر سکے کہ ان میں یکجہتی ایمان اور عمل صالح کے ساتھ تنظیم بھی ہے اور طاقت بھی جو ان فیصلوں کو نافذ کرا سکتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے کہ یہ مکمل ضابطہ ہدایت ہے' انسان کی جملہ مشکلات کا حل اسی میں ہے اگر ہم ان ہدایات کی روح کو فراموش کر کے صرف الفاظ کو دہراتے یا ان کے Symbol ہی تک اپنے کو محدود رکھیں تو اس کا نتیجہ واماندگی' پسماندگی اور بیچارگی کے علاوہ اور کیا ہو سکتا ہے۔

آپ اگر حج کے متعلق احکام پر غور کریں تو یہ حقیقی معنوں میں

Annual Assembly of Humanity to discuss the problems and diffculties of humanbeings.

نظر آتا ہے۔

بسلسلہ سال اقبالؒ 2002ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فخر عالم۔کویت

طرزِ تعلیم ۔۔۔۔۔افکارِ اقبالؒ کے آئینے میں

اقبالؒ کے افکار کا بنیادی سرچشمہ قرآن وسنت ہے۔اسی لئے قاری کے ذہن میں ان کی تصویر اسلام کے ایک سپاہی، حضور اکرمؐ کے فدائی، ملت کے بہی خواہ اور ایک خوددار شخص کی تصویر بن کر ابھرتی ہے اور اقبالؒ یہی صفات اپنے ہر قاری یعنی ملت کے ہر فرد میں دیکھنا چاہتے ہیں۔اسی لئے انہوں نے اپنے کلام میں مسلم امہ کو درپیش تمام مسائل کی طرف توجہ دلائی ہے اور ساتھ ساتھ وہ راہ بھی دکھانے کی کوشش کی ہے جس پر چل کر یہ مسائل بہ طریقِ احسن حل ہو سکتے ہیں۔علامہ نے ہر قومی ناسور کا تریاق بتانے کی کوشش کی ہے۔اب یہ ہماری بدقسمتی نہیں تو اور کیا ہے کہ ہم اس سے استفادہ حاصل کرنے کی کوشش نہ کریں۔

آج ہماری قوم کو درپیش مسائل ومشکلات کی فہرست تو بہت طویل ہے مگر میرے خیال میں آج کا اہم ترین مسئلہ تعلیم کا ہے۔کیونکہ ہم اتنے برس گزرنے کے بعد بھی قوم کو ایک واضح نظام یا طرزِ تعلیم دینے میں کامیاب نہیں ہوئے۔ایک ایسا طرزِ تعلیم جو کہ ہماری نسلوں کی صحیح راہنمائی کر سکے اور جس سے فارغ ہونے کے بعد ان کو اپنا مقصدِ حیات صاف اور بالکل واضح نظر آئے کہ وہ امت کے ''معمارِ مستقبل'' بن سکیں۔

تعلیم ہی وہ بنیاد ہے جس پر قوم کی زندگی کی عمارت تعمیر ہوتی ہے۔قومیں تعلیم ہی کے زریعے اپنا نصب العین حاصل کرتی ہیں اور تعلیم ہی کے ذریعہ اپنے مقصدِ حیات اور تہذیب وتمدن کا اظہار کرتی ہیں۔علامہ نے اپنے پیغام کے ذریعہ ملت کو اس میدان میں وہ راہ دکھانے کی کوشش کی ہے جس پر چل کر وہ زندہ اور جاوداں قوم بن سکیں۔علامہ نے اپنی شاعری کے ابتدائی دوادوار میں اس کے بارے میں کچھ نہیں کہا لیکن آخری دور میں انہوں نے اس موضوع کو بہت زیادہ اہمیت دی ہے۔''ضربِ کلیم'' میں تو تعلیم اور ملت کی تربیت ایک مستقل عنوان قائم کیا ہے۔مشہور محققِ اقبال ڈاکٹر سید عبداللہ مقالاتِ اقبال میں تحریر کرتے ہیں۔

> ''اقبال نے تعلیم کے عملی پہلوؤں پر زیادہ نہیں لکھا مگر ان کے افکار سے ایک تصورِ تعلیم ضرور پیدا ہوتا ہے جس کو اگر مرتب کرلیا جائے تو اس پر ایک مدرسہ تعلیم کی بنیاد رکھی جا سکتی ہے''۔

یہ ایک مستند محقق کی رائے ہے۔ہم کو علامہؒ کے افکار کی 'صحیح روح' پانے اور ان کے افکار سے اس میدان میں راستہ متعین کرنے کے لئے مروجہ نظامِ تعلیم کو یا مروجہ نظام ہائے تعلیم کو اس کسوٹی پر پرکھنا ہو گا۔علامہ کی حیات میں اور آج بھی ہمارے یہاں دو نظامِ تعلیم پہلو بہ پہلو رائج ہیں۔

اول: قدیم دینی نظام تعلیم جو صدیوں سے ایک ہی دھرے پر چلا آرہا ہے۔اور وقت نے اس میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں کی۔یہ

عصری تقاضوں کو کوئی اہمیت نہیں دیتا۔

دوئم: انگریزی نظامِ تعلیم جو لارڈ میکالے نے وضع کیا تھا یہ نظام بہت ہی تھوڑی سی ردوبدل کے ساتھ آج بھی رائج ہے۔ اس نظام کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ انتظامیہ کی مشین کے لئے پرزے بنائے جائیں۔ انگریز آقا کے زمانے میں اس نظام کا مقصد یہ بھی تھا کہ ایسے تعلیم یافتہ نوجوان تیار کئے جائیں جو ملک وقوم کی بجائے حکمران طبقے سے وابستہ رہیں۔ آزادی کے بعد بدیسی آقا تو چلے گئے اور لاٹ صاحب کی کرسی دیسی آقاؤں نے سنبھال لی۔ اور یہ نظام تعلیم ملت میں دو طبقے یعنی عوام اور حکمران ٹولہ پیدا کرنے کا بنیادی سبب بن گیا۔

علامہ اقبالؒ نے دونوں نظام ہائے تعلیم پر بھرپور تنقید کی ہے۔ انہوں نے دیکھا کہ دینی مدارس میں صرف قرآن وحدیث کی تعلیم دی جاتی ہے۔ ان مدارس کے طلباء کو دینی اور فقہی مسائل سے تو واقفیت ہو جاتی ہے مگر وہ دین کی صحیح روح سے آشنا نہیں ہوتے۔ مشاہدہ کائنات اور تسخیرِ فطرت جیسے مضامین کا ان کے نصاب میں کوئی ذکر نہیں۔ معاشرتی علوم یا بین الاقوامی مسائل کا ان کو کوئی ادراک نہیں ہوتا۔ وہ اپنی چاردیواری میں مست رہ کر صرف نماز روزہ تک اپنے آپ کو محدود کر لیتے ہیں۔ ان کا نصب العین صرف دینی اور فقہی مسائل کے اختلافات کو ڈھونڈنا اور ان پر بحث کرنا ہوتا ہے۔ اسی لئے وہ اپنا بیشتر وقت مذاکرے، مناظرے اور کفر کے فتوی صادر کرنے میں صرف کرتے ہیں۔

علامہ یہ اچھی طرح جانتے تھے اور اس بات کا اظہار بھی برملا کرتے تھے کہ ان مدارس نے بڑے جید علمائے دین بھی پیدا کئے ہیں جنہوں نے احیاء دین کے لئے کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں۔ مگر ان کی تعداد معدودے چند ہے۔ ان مدارس سے فارغ التحصیل لوگوں کی بہت بڑی اکثریت مُلاؤں کی ہوتی ہے یا جن کو عرفِ عام میں مُلا کہا جاتا ہے۔ یہ لوگ ہر معاملے کو ایک ہی مخصوص زاویہ نگاہ سے دیکھتے ہیں اور علامہ نے بالِ جبریل میں اپنی نظم مُلا اور بہشت میں اسکا نقشہ یوں کھینچا ہے۔

میں بھی حاضر تھا وہاں ضبطِ سخن کر نہ سکا
حق سے جب حضرتِ ملا کو ملا حکمِ بہشت
عرض کی میں نے الٰہی مری تقصیر معاف
خوش نہ آئیں گے اسے حور وشراب و لبِ کشت
نہیں فردوس مقامِ جدل و قال و اقول
بحث و تکرار اس اللہ کے بندے کی سرشت
ہے بدآموزیٔ اقوام و ملل کام اس کا
اور جنت میں نہ مسجد نہ کلیسا نہ کنشت

علامہؒ اس نظامِ تعلیم کی مخالفت صرف اس لئے کرتے ہیں کہ ان لوگوں کے پاس دین تو ہے مگر حرارتِ دین نہیں۔ دین کی اصل روح نہیں۔ نماز وروزہ صرف رسمی بن کر رہ گئے ہیں اور زندگی کے اعلیٰ و ارفع مقاصد تک ان کی پہنچ نہیں جو کہ دین کا نصب العین ہے۔ یہ تنگ نظری ہی وہ بنیادی وجہ تھی کہ ان حضرات نے ابتداء میں علامہؒ کے اس تصوراتی خطے، پاکستان، کی مخالفت کی جس میں مسلمانوں کو دین حق کے بتائے ہوئے راستے پر آزادانہ زندگی بسر کرنے کی نوید تھی۔

اس دور میں چونکہ حکمران طبقے کی طرف سے نماز وروزہ پر کوئی پابندی نہیں تھی اسلئے اس مکتبِ فکر کا خیال تھا کہ اسلام پر کوئی آنچ نہیں آتی۔ ان لوگوں کے ان افکار اور ایسے ہی دوسرے

خیالات کو رد کرنے کیلئے علامہؒ کو کہنا پڑا

ہے ہند میں ملا کو جو سجدے کی اجازت
نادان سمجھتا ہے کہ اسلام ہے آزاد

اور دوسری جگہ ان کا ارشاد ہے

قوم کیا چیز ہے قوموں کی امامت کیا ہے
اس کو کیا سمجھیں گے بیچارے دو رکعت کے امام

علامہ کو ان دینی مدارس سے جو توقعات تھیں وہ ان پر کسی طرح پورا نہیں اترتے تھے اسی لئے انہوں نے اس نظامِ تعلیم کے ناخداؤں کو مخاطب کر کے زور دیا کہ وہ آگے بڑھیں اور امت کے نوجوان کی صحیح تعلیم و تربیت کا انتظام کریں۔ انہوں نے کہا

اے پیرِ حرم رسم و رہِ خانقہی چھوڑ
مقصود سمجھ میری نوائے سحری کا
اللہ رکھے تیرے جوانوں کو سلامت
دے ان کو سبق خود شکنی خود نگری کا
تو ان کو سکھا خارہ شگافی کے طریقے
مغرب نے سکھایا انہیں فن شیشہ گری کا
دل توڑ گئی ان کا دو صدیوں کی غلامی
دارو کوئی سوچ ان کی پریشاں نظری کا

مگر اس جانب سے امید کی کوئی کرن نظر نہ آتی تھی اور نہ ہی ہے۔

دوسری جانب میکالے کا طرزِ تعلیم ہے۔ علامہ اس سے بھی سخت نالاں ہیں کیونکہ یہ نظام کلیتاً مادیت پر مبنی ہے۔ اور دین کا اس سے دور دور کوئی واسطہ نہیں۔ علامہ اس نظام کو الحاد پھیلانے اور امت کو دین سے دور کرنے، نوجوانوں کو اسلام اور اسلامی اقدار سے محروم کرنے کی ایک سوچی سمجھی سازش قرار دیتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے:

ہم تو سمجھے تھے کہ لائے گی فراغت تعلیم
کیا خبر تھی کہ چلا آئے گا الحاد بھی ساتھ

جیسا کہ اس مضمون کے شروع میں عرض کیا گیا ہے کہ علامہ کے افکار کا بنیادی سرچشمہ قرآن و سنت ہے اس لئے علامہ کو ادراک ہے کہ ملت اسلامیہ کی شیرازہ بندی صرف اور صرف قرآن کی عطا فرمودہ اقدار کے وسیلے سے ہوتی ہے اور اگر کسی قوم کے نظامِ تعلیم سے ان اقدار کی نفی کر دی جائے تو پھر اس کا شیرازہ بکھرنا لازمی ہوتا ہے۔ مغربی تعلیم محض مادیت ہے، روحانی اقدار سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس نظامِ تعلیم کے فارغ التحصیل ہونے والے اپنی قومی اور تاریخی روایات سے بے بہرہ ہوتے ہیں۔ اور یہ ناواقفیت احساس کمتری میں مبتلا کر کے مغرب کی اندھی تقلید کو ان کا شعار بنا دیتی ہے۔ اسی کیفیت کو علامہ نے بڑے دکھ سے کہا ہے کہ

گلا تو گھونٹ دیا اہلِ مدرسہ نے ترا
کہاں سے آئے صدا لا الہ الا اللہ

اقبال کو اس طرزِ تعلیم کے اساتذہ سے بھی بڑی شکایت ہے کہ وہ قوم کے بچوں کی صحیح تربیت نہیں کر رہے ہیں۔ جبھی تو انہوں نے کہا

شکایت ہے مجھے یارب خداوندانِ مکتب سے
سبق شاہیں بچوں کو دے رہے ہیں خاکبازی کا

یہ نظامِ تعلیم نوجوانانِ ملت کو ایسی پریشان نظری میں مبتلا کر دیتا ہے کہ نہ تو ان کی ادا پوری طرح سے ادائے کافرانہ ہوتی ہے اور نہ ہی ان کی تراش پوری طرح سے تراشِ آذرانہ ہوتی ہے یہ زندگی میں تن آسانی کے قائل ہو جاتے ہیں اور لہو و لعب اور تعیشات کے اس حد تک خوگر ہو جاتے ہیں کہ موت کو بھی دیکھنا اگر گوارہ کرتے ہیں تو

کسی حسین رقاصہ کے روپ میں۔ اس نظام کا ایک اور بہت بڑا المیہ یہ ہے کہ یہ نظام عورتوں کو انکی بنیادی وجہِ تخلیق یعنی جذبہ امومت سے بیگانہ کر دیتا ہے اور عورت اپنے اس فرض سے کوتاہی برتنے لگتی ہے جو نئی نسل کی تعلیم و تربیت کے لئے قدرت نے اس کے سپرد کیا ہے۔ نتیجتاً۔ غیر مذہب اور غیر تعلیم یافتہ آیاوں کی گود میں پلے بچوں کا کیا معیار تہذیب ہوتا ہے اس سے ہم سب اچھی طرح واقف ہیں۔ علامہ اس کو قومی خودکشی قرار دیتے ہیں۔

تہذیب فرنگی ہے اگر مرگِ امومت
ہے حضرتِ انساں کے لئے اسکا ثمر موت
جس علم کی تاثیر سے زن ہوتی ہے نازن
کہتے ہیں اسی علم کو ارباب نظر موت

دونوں نظام ہائے تعلیم کے بارے میں علامہ کے خیالات سے واقفیت کے بعد اب دیکھنا یہ ہے کہ علامہ کس طرح کا نظامِ تعلیم چاہتے ہیں؟

علامہ نہ تو کلیتاً دینی مدرسوں کے قائل تھے اور نہ ہی صرف مغربی طرزِ تعلیم کو وہ قابلِ قبول سمجھتے ہیں۔ وہ ان دونوں کے درمیان ایک ایسے نظام کے قائل تھے جس کی تصویر انہوں نے بڑے ہی واضح الفاظ میں غلام السیدین کے نام اپنے خط میں کھینچی ہے انہوں نے لکھا:

''علم سے میری مراد وہ علم ہے جس کا دارومدار حواس پر ہو۔ عام طور پر علم کا لفظ میں انہی معنوں میں استعمال کرتا ہوں۔ اس علم سے ایک طبعی قوت ہاتھ آتی ہے جس کو دین کے ماتحت رہنا چاہیے۔ اور اگر یہ دین کے ماتحت نہ رہے تو محض شیطنت ہے۔ یہ علم علمِ حق کی ابتدا ہے جیسا کہ میں نے جاوید نامہ میں کہا ہے

علم حق اول حواس آخر حضور

مسلمانوں کو لازم ہے کہ وہ علم جس کا دارومدار حواس پر ہے مسلمان کرے۔ یعنی بولھب را حیدر کرار کن۔ اور اگر یہ بولہب حیدرِ کرار بن جائے یا یوں کہیے کہ اس کی قوت دین کے طابع ہو جائے تو بنی انسان کے لئے یہ سراسر رحمت ہے''

ثابت یہ ہوا کہ حصول علم کے دو ذرائع ہیں ایک وہ جو حواس کے ذریعے حاصل ہو اور دوسرا وہ جس کی بنیاد اقدار الٰہی پر ہے اور یہ دونوں آپس میں ہرگز متصادم نہیں۔

اس مقام پر یہ واضح کر دینا ضروری ہے کہ علامہ علمی مضامین میں سائنس، ادبیات، تاریخ اور فنونِ لطیفہ کو بہت اہمیت دیتے ہیں۔ ان تمام مضامین کے بارے میں علامہ کے افکار کی وضاحت کا یہ مضمون متحمل نہیں ہو سکتا۔ اس مضمون میں صرف سائنس کے بارے میں نہایت اختصار سے جائزہ لیا جائے گا۔

عام طور سے خیال کیا جاتا ہے کہ سائنس اور مذہب دو بالکل الگ الگ مضامین ہیں اور نہ صرف ایک دوسرے کی ضد ہیں بلکہ ایک دوسرے کی نفی کرتے ہیں۔ اقبالؒ کے نزدیک سائنس مذہب سے قطعاً متصادم نہیں۔ بلکہ سائنس اور دین ایک ہی مضمون کے دو حصے ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کلام پاک میں بار بار مسلمانوں کو مطالعہ کائنات اور تسخیرِ فطرت کی دعوت دی ہے۔

علامہؒ کی نظر میں دینی علم خدا' کائنات اور انسان تینوں کے مجموعی تشخص پر مبنی ہے اور انہیں الگ الگ نہیں کیا جا سکتا۔ اسی لئے انہوں نے ایک ایسے نظام کا خاکہ پیش کیا ہے جس میں دین'

سائنس اور حکمت کو ایک واحد مضمون کی حیثیت سے دیکھا گیا ہے۔ کیونکہ ان کے خیال کے مطابق دین، عقل اور تجربہ کو یکجا کرنے سے ہی انسان کو حقیقت کا ادراک ہو سکتا ہے۔ اقبالؒ کے تعلیمی نظام میں ہر مضمون موجود ہے مگر دین کی راہنمائی کے ساتھ تاکہ علم لاہوتی رہے، طاغوتی نہ بن جائے۔

اقبالؒ کا نظام نوجوانان ملت کو ایسی تعلیم دیتا ہے جو انکی سیرت و کردار کی تعمیر کر کے اس کی تسخیر کائنات کی صلاحیت کو تقویت پہنچائے۔ یہ نظام خدا، انسان اور کائنات کو ایک کلی نظام کی حیثیت دیتا ہے۔ چنانچہ محض روحانی تعلیم کو مقصود بنالینا یا صرف مادی تعلیم کو اپنا نصب العین بنالینا ہرگز درست نہیں۔ روح اور مادہ جدا نہیں کیے جا سکتے۔

ان دلائل کی روشنی میں آج کے ان اصحابِ علم کو جو ہماری تعلیمی پالیسی بنانے کے ذمہ دار ہیں، سے درخواست کرتا ہوں اور دعوت دیتا ہوں کہ وہ پاکستان کی تعلیمی پالیسی بناتے وقت افکارِ اقبال کو ذہن میں رکھیں تاکہ کل کو پاکستان صحیح معنوں میں ان کے خواب کی تعبیر بن سکے اور ہماری ملت کا نوجوان اس کام کا اہل بن جائے جس کا خواب علامہ نے دیکھا تھا یعنی

لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

ENJOY YOUR STAY AT

HOTEL PARKWAY (PVT.) LTD.

Near Railway Station - Lahore

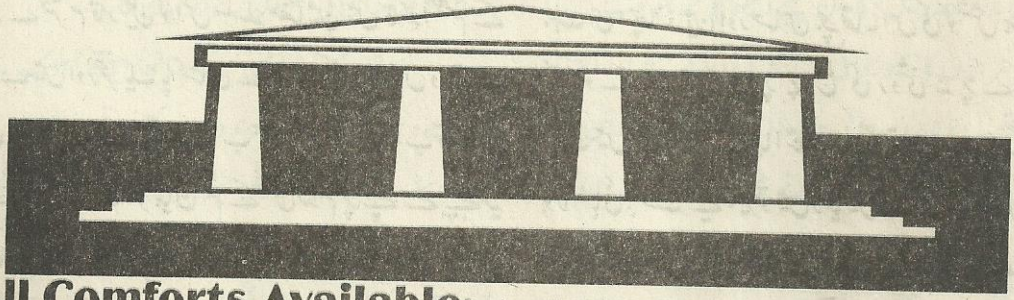

All Comforts Available:

- T.V. & Fax
- Air-Conditioned
- Telephone Exchange
- Car Parking
- Excellent Service

Ph:92-42-6315647-52-FAX:92-42-6366029

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ڈاکٹر شبیر احمد، ایم ڈی، فلوریڈا

ہمارے قائداعظمؒ

اس انگریزی کتاب کو پڑھ کر دل میں آرزو پیدا ہوتی ہے کہ کاش! پاکستان میں اس کا اردو ترجمہ شائع ہو چکا ہو!

اس امکان کو مدنظر رکھتے ہوئے کہ شاید ابھی تک ترجمہ نہ ہوا ہو ہم اس قیمتی دستاویز سے اپنے محترم قارئین کو ''دستک'' کی سطور میں متعارف کرانا چاہتے ہیں۔ ہماری کاوش تلخیص ہوگی نہ ترجمہ۔ دستک کے کالموں میں قسط وار ہم اپنے الفاظ میں لیکن مصنف ''ہیکٹر بولیتھو'' کی تحریر کے قریب رہتے ہوئے اس کی کتاب مختصراً آپ تک پہنچائیں گے۔ ہمارے محترم قارئین کو اس سلسلۂ مضامین میں قائداعظمؒ کے بارے میں اور تحریک پاکستان سے متعلقہ کئی درخشاں واقعات پہلی بار معلوم ہوں گے۔ جناب ہیکٹر بولیتھو (جواب آنجہانی ہو چکے ہیں) کے معجز بیان قلم کے نقش قدم پر چلنے سے پہلے یہ احساس رقم کرتے چلتے ہیں کہ بحیثیت قوم ہماری ناقدری ان حدوں کو چھو چکی ہے کہ یہ کتاب اب تقریباً نایاب ہو چلی ہے۔ امریکہ میں عام قیمت سے دس گنا قیمت پر خصوصی تلاش سے ملی اور بہت سی خوبیوں کے علاوہ خاص بات یہ ہے کہ یہ کتاب بڑی مستند ہے۔ اسے لکھنے کے لئے مصنف نے دو سو سے زائد ایسی خواتین وحضرات کا انٹرویو کیا جو قائداعظم کو ذاتی طور پر جانتے تھے اور ۱۹۵۲ء سے ۱۹۵۴ء تک ظاہر ہے برطانیہ اور برصغیر میں ایسے بہت سے افراد زندہ تھے۔

۱۹۵۲ء میں قائداعظمؒ کی جائے پیدائش وزیر مینشن، نیو نہم روڈ پر ہیکٹر کی ملاقات ایک ۸۶ سالہ خاتون فاطمہ بائی سے ہوئی۔ وہ پروقار خاتون قائداعظم کے کزن کی بیوہ تھیں۔ ۱۸۸۴ء میں وہ ۱۶ برس کی عمر میں بیاہ کر کراچی آ گئی تھیں۔ فاطمہ بائی نے کہا اس وقت ۷ سالہ محمد علی تیل کے چراغ کے آگے بڑا سا گتے کا ٹکڑا رکھ کر رات گئے پڑھتا رہتا تھا۔ وہ بہت ہی اچھا، ذہین اور حساس بچہ تھا۔ اس کی کوشش ہوتی تھی کہ سوتے ہوئے بچوں پر چراغ کی روشنی نہ پڑے۔ ایک رات میں نے اس سے کہا اتنا پڑھو گے تو بیمار ہو جاؤ گے۔ وہ بولا ''بائی! محنت کیئے بغیر تو میں دنیا میں کچھ نہیں بن سکوں گا۔'' اسی نشست میں نانجی جعفر نے وہ بات بتائی جو زندگی بھر قائداعظمؒ کا مسلک بنی رہی۔ ''خاک سے اٹھ کھڑے ہوتا کہ ہمارے کپڑے میلے نہ ہوں اور بڑے کام کرنے کے لئے ہمارے ہاتھ صاف رہیں۔'' فاطمہ بائی کے بیٹے محمد علی گانجی نے بڑے فخر سے خاندان کے نوادرات بستر پر پھیلا کر ہیکٹر کو

دکھائے۔ محمد علی گانجی نے بتایا کہ قائداعظمؒ کے آباؤ اجداد کئی صدیاں پہلے ملتان سے کاٹھیاواڑ جا بسے تھے۔ چند نسلیں پہلے مسلمان ہوئے تھے۔ محمد علی پہلی بار ۶ برس کی عمر میں اسکول گئے ۱۰ سال کے ہوئے تو بمبئی کے ''گاکل داس تیج'' پرائمری اسکول میں ایک سال پڑھے۔ ۱۱ سال کے ہوئے تو سندھ مدرسہ ہائی اسکول کراچی میں داخل کر دیئے گئے۔ ۱۶ سال کے تھے کہ کاٹھیاواڑ کی ایک خوجہ لڑکی ۱۴ سالہ ایمی بائی سے والدین نے ان کی شادی رچا دی۔ (جی الانہ لکھتے ہیں کہ قائداعظمؒ کی زندگی کا یہی ایک فیصلہ تھا جو ان کے لئے کسی اور نے کیا۔) غالباً ایمی بائی کو دیکھنے سے پہلے ہی ۱۸۹۲ء میں ایک انگریز تاجر فریڈرک کروفٹ کے مشورے پر والدین نے ہونہار محمد علی کو لندن بھیج دیا۔ قائداعظم کے چھ بہن بھائی اور تھے۔ رحمت بائی، مریم بائی، احمد علی، شیریں، فاطمہ اور بندے علی۔ ان کے والدین کا نام تھا جناح پونجا اور مٹھی بائی۔

کراچی میں ایک بار اپنے والد کے ساتھ عدالت میں پہلی بار ایک وکیل کو گاؤن پہنے دیکھا تو محمد علی بولے ''بابا! میں بیرسٹر بنوں گا'' نوجوانی میں بھی وہ دبلے پتلے اور انتہائی ذہین تھے۔ وہ زبردست قوت ارادی رکھتے تھے اور ان کے ہم عصر انہیں اپنا لیڈر تسلیم کرنے میں فخر سمجھتے تھے۔ ان کی آنکھوں میں بلا کی چمک اور چال ڈھال اور ہاتھوں کی حرکات میں سحر انگیز متانت تھی۔

لندن میں وہ ۳۵ رسل روڈ کے ایڈریس پر رہے جو ریلوے لائن کے کنارے واقع تھا۔ آتی جاتی ٹرینوں کو دیکھتے ہوئے وہ اپنی زندگی کے سفر کے منصوبے بناتے رہتے۔ لندن کی سردی اور کہر کے بہت جلدی عادی ہو گئے۔ وہ کم عمر میں ہی بیرسٹر بن گئے۔ یہ برصغیر کے لئے ایک ریکارڈ تھا۔ ۴ سال کا کورس ۲ سال میں مکمل کر لیا تھا۔ بیرسٹری کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد محمد علی کو دو سال مزید لندن میں گزارنے تھے تاکہ ''لنکن ان'' کی روایات پوری کر سکیں۔ ''لنکن ان'' وہ درس گاہ تھی جسے محمد علی جناح نے اس لئے چنا تھا کہ اس کے گیٹ پر دنیا کے عظیم قانون سازوں میں محمدؐ کا اسم گرامی بھی لکھا ہوا تھا۔ زمانۂ طالب علمی میں ہی محمد علی جناح نبی کریمؐ کو تاریخ عالم کا عظیم قانون دان، رہنما اور حاکم دل و جان سے تسلیم کرتے تھے۔ ۱۸۹۴ء ہی میں محمد علی نے پہلی بار اپنی آنکھ پر مشہور زمانہ عدسہ "Monocle" لگانا شروع کیا۔ پڑھنے کے لئے وہ عدسہ استعمال کرتے تھے اور عملی زندگی میں ان کی نگاہ بڑی ہی دور بین تھی۔ لندن کے ''ہاؤس آف کامنز'' میں سیاستدانوں کی تقریریں اور مباحثے سننا ان کا پسندیدہ مشغلہ تھا۔ وہ دم آخر تک میدان سیاست کے جنگجو مجاہد رہے اور آخری لمحات تک ان کا عدسہ ان کی انگلیوں کے درمیان تھا۔

لندن میں خواتین کے ساتھ اچھے سلوک کے مظاہرے دیکھ کر محمد علی جناح ہندوستان کی خواتین کے بارے میں سوچنے لگے۔ مشہور پارسی لیڈر دادا بھائی نوروجی سے ملاقاتوں میں نوجوان جناح نے سیاست اور معاشرت کے کئی اچھے سبق سیکھے۔ دادا بھائی نوروجی اس زمانے میں ''ہندوستان کے شاندار بزرگ'' کے لقب سے برطانیہ میں معروف تھے۔ یہ حسن اتفاق ہے کہ ۱۴ برس بعد جناح کو کانگریس میں نوروجی کے سیکرٹری بننے کا اعزاز حاصل ہوا یا

یوں کہئے کہ نوروجی کو یہ اعزاز حاصل ہوا۔ (دادا بھائی نوروجی اس وقت ۸۱ برس کے تھے اور جناح کی عمر ۳۰ برس تھی لیکن یہ ۱۹۰۶ء کے ہندوستان کی بات ہے۔)

دلچسپ بات یہ ہے کہ ان کی پرکشش شخصیت سے متاثر ہوکر ۱۸ سالہ جناح کو برطانیہ کی شیکسپیئر ڈرامہ کمپنی نے اپنے ڈرامے رومیو جیولٹ میں رومیو کا کردار دیا۔ جناح نے اپنے کردار میں کمال کا رنگ بھر دیا۔

لیکن صاحبو! قائداعظم اداکاری کے میدان کے ہیرو نہیں تھے۔ انہیں ایک قوم کا ہیرو بننا تھا لہٰذا وہ ڈرامے کے اسٹیج کو جلد ہی چھوڑ کر وکالت اور سیاست کے مرد میدان بننے کی تیاری کرنے لگے۔

مے باقی و ماہتاب باقی است
مارا بتو صد حساب باقی است

صاحبو! ہیکٹر بولیتھو کی کتاب ''جناح: پاکستان کے خالق'' کو آپ سے متعارف کراتے ہوئے ہمیں اس بات کا خیال ہے کہ عین ممکن ہے کہ اس کتاب کا اردو ترجمہ کبھی شائع ہو چکا ہو۔ اس کے باوجود ہم نے اس کام کا بیڑہ اس لئے اٹھایا ہے کہ۔

۱۔ کتابیں پڑھنے کا ذوق اہل وطن میں عام نہیں ہے۔

۲۔ قائداعظمؒ کی مختصر سوانح عمری کے پڑھنے والے لاکھوں افراد اس سے مستفید ہوں گے۔ اس سلسلۂ مضامین میں آپ کو قائد کی زندگی کے بہت سے درخشاں واقعات ملیں گے۔

۳۔ ہم نہ کتاب کا ترجمہ پیش کر رہے ہیں نہ تلخیص بلکہ افرادِ ملت کو یہ احساس دلانا مقصود ہے کہ قائداعظم محمد علی جناحؒ اتنے عظیم انسان اور سیاسی لیڈر تھے کہ ان کی زندگی بچوں، نوجوانوں اور بڑوں سب کے لئے آج بھی مشعل راہ بن سکتی ہے۔

۴۔ دو امریکی مصنفین کی کتاب ''فریڈم ایٹ مڈنائٹ'' اور ہالی وڈ کی فلم ''گاندھی'' میں قائداعظم کی جو کردار کشی کی گئی ہے اس کا کچھ ازالہ کیا جا سکے۔

محمد علی جناح کی شیکسپیئر ڈرامہ کمپنی کے ساتھ وابستگی کا ذکر ہوا تھا لیکن قائداعظمؒ افسانوں، ڈراموں اور خوابوں میں رہنے والے آدمی نہیں تھے وہ ایک باعمل شخصیت تھے۔ شعر و ادب کی لفاظیوں سے زیادہ انہیں ٹھوس بات کہنے اور کرنے میں دلچسپی تھی۔ کبھی کبھار ہی ان کے کلام میں سجاوٹ برائے سجاوٹ کا رنگ آتا تھا۔ مثال کے طور پر برسوں بعد جب گاندھی نے ایک بار قائداعظمؒ سے پوچھا کہ آپ کو کس طرح سے مخاطب کیا جائے؟ تو قائداعظم نے برجستہ جواب دیا ''میں آپ کی اس بے چینی کا احترام کرتا ہوں کہ آپ اس بارے میں میرے جذبات کا احترام کرتے ہیں لیکن نام سے کیا ہوتا ہے! گلاب کو آپ کوئی نام دیں اس کی مہک بہرحال گلاب کی مہک رہے گی۔''

ایک بار ایسا ہوا کہ نوابزادہ لیاقت علی خان اور ایک سیکرٹری ایک سرکاری بیان تیار کرتے ہوئے عمدہ الفاظ اور جملے ڈھونڈ رہے تھے۔ قائداعظم بولے ''مجھے حسنِ زبان و بیان کی اتنی پروا نہیں جو اصل آئیڈیا اور پیغام ہے وہ واضح

طور پر سامنے آنا چاہئے اور بس!''

الفاظ کے پیچوں میں الجھتے نہیں دانا
غواص کو مطلب ہے صدف سے کہ گہر سے

۱۸۹۶ء میں محمد علی جناح برطانیہ میں چار سال گزار کر کراچی واپس آ گئے۔ وہ بیس برس کی عمر میں مکمل بیرسٹر بن چکے تھے۔ وہ انگریزی زبان ہی نہیں انگریزی لباس اور آداب و اطوار اس حد تک اپنا چکے تھے کہ آخر عمر تک اپنے بڑے سے بڑے مخاطب کے سامنے اپنی دائیں انگشتِ شہادت لہراتے ہوئے کہہ دیا کرتے تھے۔

"My Dear Fellow,
You do not understand"

میرے عزیز تم سمجھتے نہیں۔

کراچی پہنچ کر نوجوان جناح مناسب مواقع کی تلاش میں تھے۔ انہیں ایک بڑے وکیل کے دفتر میں کام کرنے کی پیشکش ہوئی۔ ملازمت کی شرط یہ تھی کہ وہ اس وکیل کی بیٹی سے شادی کریں۔ لیکن جناح زندگی میں ایسے سمجھوتوں اور لین دین کے قائل نہیں تھے لہٰذا اگلے سال یعنی ۱۸۹۷ء میں وہ بحری جہاز کے ذریعے بمبئی پہنچ گئے۔ بمبئی میں ان کے پہلے تین سال بہت تنگی میں گزرے۔ ایک نوجوان مسلمان بیرسٹر کے لئے ہندو اور پارسی وکیلوں کے سامنے اپنی پریکٹس جمانا آسان کام نہیں تھا۔ بالآخر بمبئی کے ایڈووکیٹ جنرل میکفرسن نے انہیں اپنے دفتر میں کام کرنے کی دعوت دی اور پھر ۱۹۰۰ء میں بمبئی میں پریذیڈنسی مجسٹریٹ کی ایک آسامی نکلی۔ قائداعظم کو ان کے بہترین ریکارڈ کے باعث یہ ملازمت مل گئی۔ انہوں نے فوراً ایک بگھی خریدی۔ ایک اچھے فلیٹ میں رہنے لگے۔ پھر پہلی فرصت میں اپنی چھوٹی بہن فاطمہ جناح کو تعلیم کے لئے کراچی سے بمبئی بلا لیا۔ اس زمانے میں کسی مسلم لڑکی کا کانوینٹ میں پڑھنا بڑی انقلابی بات تھی۔ قائداعظمؒ نے بہن کو ہاسٹل میں داخل کروا دیا پھر ہر اتوار کو گھوڑے پر سوار ہو کر اپنی بہن سے ملنے بمبئی سے باندرہ جاتے رہے۔

(گھوڑے قائداعظم کو بچپن ہی سے اچھے لگتے تھے کیونکہ وہ سر اٹھا کر اور سینہ تان کر چلتے تھے۔ ۱۷ برس بعد یعنی ۱۹۱۷ء میں گھوڑ سواری کا شوق رتن بائی اور جناح کے درمیان ایک مضبوط تعلق بن گیا تھا۔)

۱۹۰۰ء میں ہی سر چارلس اولیوینٹ نے جناح کو ۱۵۰۰ روپے ماہانہ پر مستقل ملازمت کی پیشکش کی۔ جناح نے شکریہ کے ساتھ کہا جی نہیں!'' میں پندرہ سو روپے روزانہ کمانا چاہتا ہوں۔''

۱۹۵۳ء میں ہیکٹر بمبئی کی ایک بلڈنگ میں کئی معمر ہندو وکیلوں سے ملا جو قائداعظم کے ہم عصر تھے اور اسی بلڈنگ میں وکالت کرتے تھے۔ ان میں سے ایک بولا'' جناح کی خوش لباسی بے مثال تھی۔'' دوسرے نے کہا'' وہ ایک انتہائی ایماندار انسان تھے۔ مشکل آدمی تھے لیکن کبھی کوئی ناانصافی کی بات یا کام ان سے سرزد نہیں ہوتا تھا۔ وقار ان کی فطرت تھا۔'' تیسرا وکیل بولا'' میں سمجھتا ہوں ۱۹۰۳ء میں جناح کا ستارہ اچانک چمکنے لگا جب بمبئی میونسپل کارپوریشن کے انگریز پریذیڈنٹ کے ساتھ جناح کی مڈبھیڑ ہوئی۔ بمبئی ہائی کورٹ میں ایک بڑا مقدمہ چل رہا تھا۔ کمرۂ عدالت حاضرین سے بھرا

ہوا تھا۔ جیمز میکڈونلڈ وکیلوں کے لئے مخصوص نشستوں میں سے ایک پر بیٹھے ہوئے تھے۔ ۲۷ سالہ جناح کمرہ عدالت میں داخل ہوئے تو انہیں بیٹھنے کی جگہ نہ ملی۔ جناح نے پرزور مطالبہ کیا کہ میونسپل کارپوریشن کے انگریز پریذیڈنٹ کو وکیلوں کی نشست سے اٹھایا جائے۔ وہ انگریز بھی کمال کا آدمی تھا بغیر ناراض ہوئے اس نے نشست خالی کر دی اور تھوڑے ہی عرصے بعد جناح کو کارپوریشن کا قانونی مشیر مقرر کر دیا۔'' یہ واقعہ سنتے ہی ایک وکیل بولا'' بے شک جناح میں بلا کی خود اعتمادی تھی۔ وہ واقعہ تو آپ نے سنا ہوگا جب ایک جج نے کہا تھا مسٹر جناح! یاد رکھئے کہ آپ کسی تھرڈ کلاس مجسٹریٹ سے مخاطب نہیں ہیں۔ جناح نے جواب دیا تھا۔'' جناب والا! میں بھی آپ کو وارننگ دیتا ہوں کہ آپ کسی تھرڈ کلاس وکیل سے مخاطب نہیں ہیں۔''

اب دوسرے وکیل نے کہا'' جناح ایک عظیم بیرسٹر تھے۔ قانونی دلائل میں ان کا کوئی ثانی نہیں تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے انہیں خدا نے بطور خاص بنایا تھا۔ ان کی چھٹی حس بہت بیدار تھی۔ ان کی نگاہ وہاں تک پہنچتی تھی جہاں کسی کی رسائی نہ ہو۔ جہاں کسی کی نظر نہ پہنچے۔'''' وہ بہت ہی واضح فکر رکھتے تھے' صاف صاف لفظ بہ لفظ ادائیگی سننے والے کو مسحور کر دیتی تھی۔ ان کی خود اعتمادی تکبر کی حدوں کو چھوتی تھی۔ ذرا کم قوت ارادی اور ذرا کم صلاحیت والا شخص ہوتا تو اپنی خود اعتمادی کے ہاتھوں ناکام ہو جاتا۔'' ''جناح جب عدالت میں جج کو گھورتے ہوئے آہستہ آہستہ کھڑے ہوتے اور اپنا مونوکل عدسہ آنکھ پر رکھتے تو ان کی ٹائمنگ اور انداز اتنا بے عیب ہوتا جیسے کوئی کہنہ مشق ایکٹر! اس وقت وہ ماحول پر چھا جاتے تھے۔ جی ہاں! چھا جاتے تھے۔ ان کی بلا کی خود اعتمادی میں سنگدلی کا کوئی عنصر نہیں تھا بلکہ ان کی انتہائی ایمانداری اور دیانت نے جناح کی شخصیت میں یہ قوت پیدا کی تھی۔''

ایمانداری ایسی کہ بمبئی کے ایک معروف تاجر حاجی عبدالکریم نے قائداعظم کو مقدمہ لڑنے کے لئے پانچ ہزار روپے پیش کئے۔ انہوں نے کہا'' نہیں! میری فیس پانچ سو روپے روزانہ ہوگی۔'' ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مقدمہ طول پکڑے گا۔ قائداعظم نے یہ مقدمہ صرف تین دن میں جیت لیا۔ حاجی عبدالکریم کے پانچ ہزار چھوڑ کر قائداعظم نے صرف ڈیڑھ ہزار روپے قبول کئے۔

ایک اور واقعہ سنئے: جناح کا ایک مؤکل مقدمہ ہار گیا۔ جناح نے مشورہ دیا کہ مقدمہ اپیل کورٹ میں لے جایا جائے۔ مؤکل کو جیتنے کی امید نہ تھی لہٰذا جناح نے عدالت کے اخراجات اپنی جیب سے دینے اور مفت پیروی کرنے کا وعدہ کیا۔ جناح مقدمہ جیت گئے۔ مؤکل نے بھاری رقم ان کے قدموں میں رکھ دی لیکن انہوں نے یہ کہہ کر لینے سے انکار کر دیا۔'' میں کہہ چکا ہوں کہ اس پیروی کی کوئی فیس نہیں ہوگی۔''

ان ہندو اور پارسی وکیلوں کی یادیں ماضی کے سمندر میں ابھرتی رہیں اور ہیکٹر بولیتھو ہمہ تن گوش سنتا رہا۔ ایک وکیل بولا مجھے یاد ہے ایک مؤکل جناح کی خدمات سے اتنا متاثر ہوا کہ اسنے طے شدہ فیس سے کہیں زیادہ رقم ادا کرنے کی کوشش کی۔ جناح نے زائد رقم کو یہ نوٹ لکھ کر لوٹا دیا'' آپ نے مجھے اتنے ..... پیسے دیئے ہیں۔ میری فیس .....

یہ تھی۔ اپنے بقایا پیسے قبول فرمائیے۔''

من کی دولت ہاتھ آتی ہے تو پھر جاتی نہیں
تن کی دولت چھاؤں ہے آتا ہے دھن جاتا ہے دھن

☆☆☆☆☆☆

نگہ بلند سخن دلنواز جاں پر سوز
یہی ہے رختِ سفر میرِ کارواں کے لئے

صاحبو! قائداعظم محمد علی جناح کی سوانح حیات سے چُنے ہوئے اس سلسلۂ مضامین کو بہت سے قارئین نے پسند فرمایا ہے۔ آیئے اس گلدستہ کے کچھ اور پھولوں کا جائزہ لیتے ہیں۔ وقت کی ریت سے کچھ سیپیاں چنتے ہیں اور پرانے لوگوں کی یادوں کے سمندر میں کچھ موتی ڈھونڈتے ہیں۔

ہیکٹر بولیتھو جب ۱۹۵۳ء کے بمبئی میں قائداعظم کے ہم عصر ہندو اور پارسی وکیلوں کے گلہائے عقیدت چن رہا تھا تو اس نے پوچھا ''کیا آپ لوگ جناح کے مداح ہیں یا ان کے پرستار بھی ہیں'' وہ بولے ''ہم دل سے ان کے عقیدت مند ہیں''۔ ''عدل و انصاف جناح کی گھٹی میں پڑا تھا۔ کمال کی بات یہ ہے کہ لوگوں سے زبردست سیاسی اختلافات کے باوجود جناح کا دل آئینے کی طرح صاف تھا۔ جی ہاں! سخت مزاج لیکن آئینے کی طرح صاف دل۔'' اس موقع پر ایک مسلم بیرسٹر نے اپنے حافظے کو جگاتے ہوئے بتایا ''بمبئی میں صرف جناح ہی ایک قابل ذکر مسلم وکیل تھے۔ غالباً اس احساس نے بھی انہیں اپنے پروفیشن سے سرتاپا وابستہ کر دیا تھا۔ وہ دن رات محنت کرنے والے دبلے پتلے انتہائی خوش شکل نوجوان تھے۔ وہ تیزی سے اپنی منزل کی جانب بڑھنے والے مسافر کی طرح ہمہ وقت جلدی میں نظر آتے۔ ان کی پیشانی پر گہری فکر کی سلوٹیں ہوتیں۔ ان کی ذاتی زندگی اور کردار پر الزام لگانا تو درکنار کوئی افواہ بھی نہیں اڑا سکتا تھا۔ حالانکہ وہ اس مشرق میں رہتے تھے جہاں انسان کی کوتاہیوں کو تو بخش دیا جاتا ہے اس کی خوبیوں کو معاف نہیں کیا جاتا۔''

بمبئی کی اس پرانی بلڈنگ کے وکیلوں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سر فیروز شاہ مہتہ جو خود بھی بمبئی کے نامی گرامی وکیل تھے' الیکشن کے بارے میں اپنے مقدمے کی پیروی جناح کے سوا کسی اور کے سپرد نہ کر سکے۔ اب ایک اور وکیل نے ہیکٹر کو بتایا کہ ایک بار عدالت میں جج نے نوجوان جناح کو تحکمانہ انداز میں کہا ''ذرا اونچی آواز میں بولئے۔'' جناح نے اپنے مخصوص انداز میں جواب دیا ''میں بیرسٹر ہوں ایکٹر نہیں۔''

صاف گوئی کی ایک عمدہ مثال ایک ہندو وکیل نے ہیکٹر کو سنائی۔ اس وکیل کو قائداعظم کے مقابل مجسٹریٹ رہنے کا اعزاز بھی حاصل تھا۔ اس ہندو وکیل نے اپنے کیریئر کی ابتدا کا واقعہ یاد کیا۔ اس کے والد قائداعظم کی فیملی کی سفارش لے کر آئے۔ بولے ''یہ میرا بیٹا ہے۔ اسے اپنے جیسا باکمال وکیل بنا دیجئے۔'' قائداعظم بولے۔ ''تمہارا بیٹا میرے آفس میں کام کر سکتا ہے لیکن اسے باکمال خود اپنی محنت سے بننا پڑے گا۔''

مشہور دانشور اور شاعرہ سروجنی نائیڈو جو بعد میں یوپی کی گورنر بھی رہیں اور ۱۹۴۹ء میں فوت ہوئیں۔ زندگی بھر قائداعظم کی پرستار رہیں۔ وہ لکھتی ہیں ''ایک دبلے پتلے جسم

میں اتنی غیر معمولی داخلی شخصیت پنہاں رکھنے والا وجود شاید کبھی پیدا نہیں ہوا۔ جناح میں غیر معمولی قوت ارادی اور قوت برداشت تھی۔ انسانیت کے جواہر ان میں کوٹ کوٹ کے بھرے تھے اور بسا اوقات ان کی حس مزاح ایک بچے کی طرح دل موہ لینے والی ہوتی تھی۔ جناح کی حکمت و دانش، ان کے شرمیلے پن کو بڑی چابکدستی سے چھپا کر رکھتی تھی۔''

ہیکٹر بولیتھو کو ۱۹۵۲ء کے بمبئی میں ایک پروقار بوڑھی پارسی خاتون ملی۔ اس خاتون نے جناح کا وہ دور یاد کرتے ہوئے جب وہ ۲۸ برس کے تھے کہا ''وجاہت سی وجاہت! جناح کیا دلکش شخصیت کے مالک تھے اور میں یقین سے کہتی ہوں کہ وہ اپنی وجاہت سے پوری طرح آگاہ تھے۔ وہ ایک ایسے شخص تھے جو اپنی صلاحیتوں کو بخوبی پہچانتے تھے۔ ایک ایسے آدمی میں کچھ تکبر بھی آجائے تو کون خاتون برا مانے گی۔''

عمر میں پختگی آنے کے بعد قائداعظمؒ نوجوانوں کی محفل میں بہت خوش ہوتے تھے۔ اگر طلبہ ان سے سیاسی باتیں شروع کرتے تو وہ اپنے مخصوص انداز میں اپنے دائیں ہاتھ کی انگشت شہادت ہلاتے ہوئے کہتے ''نہیں نہیں پہلے تعلیم پھر سیاست۔'' ۱۹۰۶ء میں جب وہ ۳۰ برس کے ہوئے اور اپنے کیریئر میں سیٹ ہو گئے تو انہوں نے انڈین نیشنل کانگریس میں شامل ہو کر سیاست میں پہلا قدم رکھ دیا۔ سروجنی نائیڈو چونکیں ''ہائے ہائے اس خوبصورت لڑکے کو کیا ہو گیا ہے۔ وہ سیاست کی پرخار وادیوں میں کیوں چلا آیا ہے؟'' سنی ان سنی کرتے ہوئے قائداعظم دادا بھائی نوروجی کے پرائیویٹ سیکریٹری ہو گئے۔

سچ تو یہ ہے کہ کم عمری سے ہی قائداعظمؒ میں عظیم مصلحین اور لیڈروں کی تمام خصوصیات موجود تھیں۔ مثلاً زبردست جذبہ، مہم جوئی کی آرزو، مقصد کی زبردست لگن، موقع کی نزاکت کو سمجھنا، جذبات فہمی اور مردم شناسی وغیرہ۔ سروجنی نائیڈو جو ''بمبئی کی بلبل'' کہلاتی تھیں قائداعظم کو محبت نامے اور پیار بھری نظمیں لکھ لکھ کر بھیجتی رہیں لیکن قائداعظم اپنے قانون اور سیاسی مشن میں اتنے منہمک تھے کہ بمبئی کی بلبل کا کوئی نغمہ ان کے دل کو پگھلا نہیں سکا۔ وہ کامیابی کی سیڑھیوں پر چڑھنے والے ایک ایسے جواں ہمت کوہ پیما تھے جو صرف اپنے سامنے نظر رکھتے تھے۔ جذباتیت سے کوسوں دور، ان کا واحد مشغلہ تھا مطالعہ، خصوصاً اخبارات۔ آگے بڑھنے کی امنگ نے انہیں یہ یکتا صلاحیت بخشی تھی کہ وہ آنکھوں ہی آنکھوں میں اپنے مخاطب کا ضمیر پڑھ لیا کرتے تھے۔ حالات حاضرہ سے آگاہ رہنا وہ اپنا فرض سمجھتے تھے۔ ماضی کی راکھ کریدنا ان کا شیوہ نہیں تھا۔ ان کی آواز ان کے گرد ماحول میں گونجتی ہوئی محسوس ہوتی تھی۔ ''ناکامی وہ لفظ ہے جس سے میں ناآشنا ہوں۔''

تاریخی اعتبار سے قائداعظم اس بات سے بخوبی آگاہ تھے کہ مغلیہ حکومت کے زوال کے بعد اور خصوصاً ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد مسلمانوں کی سیاسی، تعلیمی، معاشی اور سماجی حیثیت اتنی ناگفتہ بہ ہو چکی تھی کہ ان کی فلاح کے صرف دو ہی راستے تھے۔ نمبر۱۔ یا تو انہیں ہندوؤں کے شانہ بہ شانہ لایا جائے اور نمبر۲۔ جب انہوں نے دیکھ لیا کہ

ہندو لیڈر شپ مسلمانوں کو منصفانہ حقوق دینے کے لئے تیار نہیں ہے تو ۱۹۳۷ء میں کانگریس کو چھوڑ کر آزاد مسلم وطن کا مطالبہ کیا جائے۔

قائداعظمؒ اپنے قافلے کو کس طرح تعلیم دیا کرتے تھے اس کی ایک مثال دیکھئے۔ علی گڑھ میں طلباء کچھ لیڈروں کی شکایت لے کر پہنچے تو قائداعظم نے کہا ''پہلے مجھے یہ بتائیے کہ آپ میں سے کتنے ہیں جن کی سائیکلوں پر لیمپ لگے ہوئے ہیں؟'' صرف ایک طالب علم نے اثبات میں جواب دیا۔ قائداعظم بلا توقف بولے۔ ''جب تک آپ خود قانون کا احترام کرنا نہ سیکھ لیں، دوسروں پر تنقید مت کریں۔''

علی گڑھ سے قائداعظم کی محبت کا اندازہ ان کے وصیت نامے سے ہوتا ہے جو انہوں نے ۳۰ مئی ۱۹۳۹ء کو لکھا۔ انہوں نے اپنی تمام جائیداد علی گڑھ یونیورسٹی، اسلامیہ کالج پشاور اور سندھ مدرسہ کراچی کے نام کر دی تھی۔ قابل ذکر بات یہ بھی ہے کہ علی گڑھ کے ہندوستان میں شامل ہونے کے باوجود قائداعظمؒ نے آخر دم تک اپنی وصیت میں تبدیلی نہیں کی۔ وہ ایسے غیر معمولی شخص تھے کہ چائے کے خرچ، اپنی ٹائی کی قیمت اور کار میں صرف ہونے والے پیٹرول کا حساب مانگتے تھے لیکن بڑے کاموں کے لئے ان کا دل سمندر کی طرح کشادہ ہو جاتا تھا۔

محمد علی جناح کے سیاسی عروج کی ابتداء ۱۹۰۹ء میں ہوئی جب بمبئی کے مسلمانوں نے انہیں وائسرائے کی مجلس قانون ساز کے لئے اپنا نمائندہ چن لیا۔ ۲۵ جنوری ۱۹۱۰ء کی بات ہے قائداعظمؒ نے اپنے عہدے کا حلف اٹھایا۔ ۳۳ سالہ جناح میں نا پختگی نام کو نہ تھی۔ مجلس (کونسل) کے اجلاس میں جناح نے انگریز حکومت پر کڑی نکتہ چینی کی کہ جنوبی افریقہ میں آباد ہندوستانیوں پر ظلم کا برتاؤ روا رکھا جا رہا ہے۔ دبدبے والے وائسرائے لارڈ منشو بات کاٹتے ہوئے بولے ''ظلم کا برتاؤ! یہ تو بہت سخت الفاظ ہیں۔ آنریبل ممبر کو یاد رہے کہ جنوبی افریقہ ہماری سلطنت کا حصہ ہے۔'' جناح کی فطرت میں خوف اور جھجک کا کوئی شائبہ نہ تھا۔ وہ دبنا نہیں جانتے تھے لہٰذا ترکی بہ ترکی بولے ''لارڈ صاحب! میں اس سے بھی زیادہ سخت الفاظ استعمال کرتا لیکن میں جس کونسل کا ممبر ہوں اس کونسل کے آئین سے باہر قدم رکھنا نہیں چاہتا۔'' ہندوستان بھر کے اخباروں نے کونسل کے اس اجلاس کی شہ سرخیاں قائداعظم کے حوالے سے شائع کیں۔ وہ ہندوستان کے صحافتی منظر پر چھانے لگے۔

صاحبو! یہاں پہنچ کر ہیکٹر بولیتھو حیرت سے لکھتا ہے کہ جناح ایک ایسے غیر معمولی سیاستدان تھے جنہیں مقبولیت کی ذرا پروا نہیں تھی۔ بڑے بڑے ملکی اور غیر ملکی اخباروں کے صحافیوں کے ساتھ بھی جناح کا رویہ دوٹوک ہوتا تھا۔ مقبولیت حاصل کرنے کے لئے وہ کسی کو خوش کرنے کے قائل نہیں تھے۔

خوشا وہ قافلہ جس کے امیر کی ہے متاع
تخیلِ ملکوتی و جذبہ ہائے بلند

بحیثیت مقرر جناح انتہائی وضاحت سے اپنا مدعا بیان کرنے پر پوری طرح قادر تھے۔ عالم شباب میں بھی ان کی تقریر انتہائی مدلل، نپی تلی اور تیر بہدف ہوتی تھی۔ مثال کے طور پر دیکھئے، ۱۹۱۲ء میں حکومت برطانیہ سے مخاطب ہو کر شعبہ

تعلیم میں بہتری کا مطالبہ یوں کرتے ہیں۔ ''اگر آپ کے پاس فنڈز ہیں تو ٹیچرز بھی میسر آ جائیں گے' اگر آپ فنڈز مہیا کرتے ہیں تو اسکولوں کی عمارتیں بھی بن جائیں گی۔ اصل سوال یہ ہے کہ آپ کے پاس تعلیمی شعبے کے لئے فنڈز ہیں یا نہیں؟ اور جناب یہ بہت پرانی داستان ہے کہ آپ کے پاس فنڈز نہ ہونے کا بہانہ موجود ہے۔ میں یہ کہتا ہوں کہ رقم کا بندوبست کرنا حکومت وقت کا کام ہے۔''

جناح کی بے باکی اور صلاحیتوں سے متاثر ہو کر ۱۹۱۳ء میں انہیں وائسرائے نے اپنی قانون ساز اسمبلی کے لئے دوبارہ نامزد کر دیا۔ ہندوستانی سیاست کو جناح نے وہ سبق پڑھایا جو ہر دور میں قابل عمل ہے۔ ''میں حکومت پر کھلی اور کھری تنقید پر یقین رکھتا ہوں۔ اس کے ساتھ ساتھ ہر سمجھدار اور تعلیم یافتہ شخص کا فرض ہے کہ حکومت کے صحیح فیصلوں میں اس کے ساتھ پورا پورا تعاون کرے۔ معاشرے میں افراتفری پھیلا کر اور سماجی جرائم سرزد کرنے سے کبھی اچھی حکومت نہیں بنائی جا سکتی۔ تاریخ عالم اس پر شاہد ہے۔''

سرسید احمد خانؒ کے دور سے برصغیر کے مسلمان وقف کا قانون پاس کروانے کی کوشش کر رہے تھے تاکہ ہندو ساہوکاروں کے غصب سے ان کی کچھ جائیدادیں تو محفوظ ہو جائیں مگر انگریزوں اور ہندوؤں کی مخالفت کی وجہ سے یہ بل منظور نہیں ہوتا تھا۔ جناح نے یہ پرانا جھگڑا قانونی دلائل سے یکا یک مسلمانوں کے حق میں نمٹا لیا۔ انہوں نے کہا ''مسلمان ایسی پبلک پالیسی کو کیسے قبول کر سکتے ہیں جو اسلامی قوانین اور فقہ کے لئے اجنبی ہو۔'' یہ وہ موڑ تھا جہاں سے ہندوستان کے قدامت پرست مسلمان اور مذہبی رہنما بھی قائداعظمؒ کی سیاسی بصیرت اور قانونی صلاحیتوں کے معترف ہو گئے اور ان کے مشوروں اور رہنمائی کے آرزومند رہنے لگے۔

قائداعظمؒ نے حق وصداقت کی راہ اس خوبی سے اپنائی تھی کہ ایک طرف برصغیر کے کروڑوں مسلمانوں کو ان کی رہنمائی پر پورا اعتماد تھا اور دوسری جانب گوپال کرشن گوکھلے جیسا بڑا ہندو لیڈر یہ کہنے پر مجبور تھا ''جناح سچی عظمت کے حامل انسان ہیں اور ہر قسم کے تعصبات سے بالاتر ہیں۔ وہ ہندو مسلم اتحاد کے بہترین سفیر ہو سکتے ہیں۔''

۱۹۱۳ء میں جناح نے گوکھلے کے ساتھ لندن کا دورہ کیا۔ لندن میں انڈین ایسوسی ایشن بنائی۔ لندن سے واپس آتے ہی جناح نے مسلم لیگ میں بھی شمولیت اختیار کر لی۔ انہوں نے طلباء کو تلقین کی کہ صرف تعلیم کے بعد وہ مادر وطن کی سچی خدمت کر سکتے ہیں۔ محمد علی جوہر اور سید وزیر حسن جیسے بڑے رہنما ہی نہیں سب ہی مسلم اور ہندو لیڈر خوشی سے پھولے نہ سماتے تھے کہ جناح جو اس وقت صرف ۳۷ برس کے تھے' تین انتہائی اہم تنظیموں یعنی قانون ساز کونسل' کانگریس اور مسلم لیگ کے بڑے ہی فعال رکن بن چکے تھے۔ ان تینوں پلیٹ فارموں کی متحدہ قوت کا مظاہرہ کرتے ہوئے ۱۹۱۳ء میں کراچی میں تقریر کرتے ہوئے جناح نے کہا ''برطانوی اہلکار مغلوں سے زیادہ بڑے مغل بننے کی کوشش کر رہے ہیں۔ انہیں چاہئے کہ اپنی تنخواہیں برطانوی خزانے سے وصول کریں۔'' انہوں نے مطالبہ کیا کہ ہندوستانی باشندوں کو حکومت ہند میں بھرپور نمائندگی دی جائے۔ قائداعظمؒ کی گھن گرج سن کر

برطانیہ کے سر ولیم ویڈر برن نے کہا ''جناح ہندوستان کی پبلک لائف کے چند محترم لوگوں میں سے ایک ہیں۔''

۱۹۱۵ء سے قائداعظم تاریخ ساز شخصیت بن چکے تھے۔ وہ ہر اعتبار سے لاثانی ملک گیر لیڈر تھے۔ ڈھونڈے سے ان میں اگر کوئی خامی مل سکتی تھی تو وہ تھی ان کی حد درجہ صاف گوئی۔ یہ نہیں کہ ان کے مخالف ناپید تھے۔ کانگریس اور مسلم لیگ کے بعض انتہا پسند اور دیگر ہندو اور مسلم جماعتیں مختلف عزائم رکھتی تھیں۔ انگریز بھی در پردہ یہ چاہتے تھے کہ کانگریس اور مسلم لیگ کے اختلافات ختم نہ ہوں تاکہ ''تقسیم کرو اور حکومت کرو۔'' Divide and Rule کی طرح ''توڑو اور بھاگو'' Fragment and Quit کی پالیسی پر عملدرآمد ہو سکے۔ قائداعظمؒ اس وقت تک دل سے ہندو مسلم اتحاد کے حامی تھے۔ ان کی کوششوں سے کانگریس نے لکھنؤ پیکٹ منظور کر لیا جس کے تحت مسلم اقلیت والے صوبوں میں مسلمانوں کی نشستوں کی تعداد قانون ساز کونسلوں میں مخصوص کر دی گئی تھی۔

پہلی جنگ عظیم کے دوران گاندھی ہندوؤں کے لیڈر بن کر ابھرے۔ گاندھی کی شخصیت مجموعہ تضادات تھی۔ بقول ہیکٹر گاندھی کے ارادے اور ان کے اعمال جذبات کے غلام ہوتے تھے۔ قائداعظم بجا طور پر انہیں ایک کٹر ہندو اور سکارلومڑی کہتے تھے اور گاندھی کے خیالات کو ''الجھی ہوئی فلسفیانہ اٹکلیں'' سمجھتے تھے۔ گاندھی نے جب ایک وعدہ توڑا اور قائداعظمؒ نے تشریح چاہی تو گاندھی بولے کہ ان کے ''اندر کی روشنی'' نے ان کا خیال بدل دیا ہے۔ قائداعظمؒ نے گرفت کی، ''جہنم میں جائے ایسی اندر کی روشنی! آخر کوئی شخص ایمانداری سے تسلیم کیوں نہیں کر لیتا کہ اس سے غلطی ہو گئی۔'' منطق اور عقلی دلائل میں جناح کو مات دینا ناممکن تھا۔ برطانوی وزیر داخلہ مسٹر مانٹا گو لکھتے ہیں کہ ایک بار لارڈ چیمس فورڈ نے قائداعظم سے مباحثہ کرنے کی کوشش کی تو چند ہی لمحوں میں یوں لگا جیسے جناح نے وائسرائے کو دلائل کی گرہوں میں جکڑ کر رکھ دیا ہے۔ یہ کیسے ممکن تھا کہ ایسا ذہین انسان ہندوستان کی تاریخ نہ بناتا!

جناح جیسے منطقی سوچ رکھنے والے شخص کے سامنے گاندھی کی مبہم اور جذباتی لیڈر شپ کو ناکام ہونا ہی تھا۔ ان پڑھ عوام میں مقبولیت کے باجود گاندھی کے لئے مستقبل میں ابھرنے والے مطالبہ پاکستان کو روکنا ناممکن تھا۔

۱۹/اپریل ۱۹۱۸ء کے اخبار ''اسٹیٹس مین'' میں نمایاں خبر چھپی۔ ''سر ڈنشا پیٹٹ'' کی اکلوتی صاحبزادی مس رتن بائی نے کل اسلام قبول کر لیا ہے اور آج ان کی شادی آنریبل مسٹر ایم اے جناح کے ساتھ ہونے والی ہے۔'' سر ڈنشا پیٹٹ بمبئی کے معروف اور معزز ترین لوگوں میں سے تھے اور رتن بائی پیٹٹ کو ''بمبئی کا پھول'' کہا جاتا تھا۔ قائداعظم اس وقت ۴۱ برس کے تھے اور رتن بائی کی عمر صرف ۱۸ سال تھی۔ ذہین اور حسین رتن بائی جناح کی عظمت کو پہچانتی تھیں لہٰذا اپنے والد کی مخالفت کے باوجود اپنے فیصلے پر قائم رہیں۔ شادی کے بعد جناح کا سیاسی کیریئر اسی رفتار سے آگے بڑھتا رہا۔ ان دنوں بمبئی کے گورنر لارڈ ویلنگڈن تھے۔ وہ عوام میں غیر مقبول تھے۔ ویلنگڈن کے خلاف عوامی مظاہرہ

ہوا تو اس میں قائداعظمؒ نے اپنی زندگی کی واحد جذباتی اور دھواں دھار تقریر کی۔ وہ راتوں رات عوام کے ہیرو بن گئے اور اس دن کی یاد میں بمبئی میں وہ ہال جہاں یہ مظاہرہ ہوا تھا آج بھی جناح ہال کہلاتا ہے۔

ہیکٹر کے بقول اگر انگریز حکومت اور کانگریسی لیڈر قائداعظم جیسی دوراندیشی رکھتے تو برصغیر میں وہ کشت وخون نہ ہوتا جو ۱۹۱۹ء میں جلیاں والہ باغ سے شروع ہو کر ۱۹۴۷ء میں تقسیم ہند تک وقتاً فوقتاً ہوتا رہا۔ گاندھی جیسے بڑے لیڈر کو بھی یہ اندازہ بعد از وقت ہوا تھا کہ اس کا ''یومِ عبادت'' یا تجویز کردہ ''یومِ اخوت'' یوم خاک وخون بن کر رہ گیا۔

پہلی جنگ عظیم میں ترکوں کی شکست کے بعد برصغیر میں تحریک خلافت اٹھی۔ ہیکٹر کے مطابق جناح نے بڑی دانش مندی سے کام لیتے ہوئے مسلم لیگ کو حکومت کے خلاف ایجی ٹیشن کی رو میں بہنے سے روکے رکھا اور مسلمانوں کی سیاسی توانائیوں کو ضائع ہونے سے بچا لیا البتہ انہوں نے دوٹوک الفاظ میں اعلان کر دیا۔ ''دنیا میں جو ناانصافیاں ہوتی ہیں وہ اپنے منطقی انجام کو پہنچ جاتی ہیں۔ روس اشتراکی ہو جاتا ہے۔ آئرلینڈ غیر بن جاتا ہے۔ اسی طرح خلافت عثمانیہ کا خاتمہ ہندوستان کے لئے آزادی کا پروانہ لے کر آئے گا۔''

اگر چاہوں تو نقشہ کھینچ کر الفاظ میں رکھ دوں
مگر تیرے تخیل سے فزوں تر ہے وہ نظارہ

☆☆☆

خودی کو جس نے فلک سے بلند تر دیکھا
وہی ہے مملکتِ صبح و شام سے آگاہ
وہی نگاہ کے نا خوب و خوب سے محرم
وہی ہے دل کے حلال و حرام سے آگاہ

جیسے ہی ۱۹۲۰ء میں گاندھی جی نے ہوم رول لیگ کا نام ''سوراج سبھا'' رکھا۔ قائداعظم نے ہوم رول سے استعفیٰ دے دیا کیونکہ اس طرح ہندو لیڈر شپ کی کٹر ہندو ذہنیت کھل کر سامنے آ گئی۔ گاندھی نے جناح کو استعفیٰ واپس لینے کی تلقین کی۔ جناح نے جواب دیا آپ کی ''نئی روشنی'' آپ کو مبارک ہو۔ آپ کے طریقہ ہائے کار ایسے ہیں جن کا انجام تباہی اور بربادی کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ آپ سونے کو چھوئیں تو مٹی ہو جائے۔

صاحبو! انیسویں اور بیسویں صدی میں ہی نہیں ہر زمانے میں دنیا بھر میں سیاسی لیڈروں نے عوام کے جذبات کو مشتعل کر کے اپنی سیاست کی دکان چمکائی ہے۔ جناح ان گنے چنے لیڈروں میں تھے جو بقول ہیکٹر بولیتھو عوام کے جذبات کو بھڑکانا گناہ عظیم سمجھتے تھے۔ گاندھی اور جناح کا سیاسی طریقۂ کار اتنا مختلف تھا اور ان کا طرز فکر زندگی کے ہر پہلو کے بارے میں اتنا جدا تھا کہ ان دونوں لیڈروں میں سمجھوتہ ہونا ممکن ہی نہیں تھا۔ دونوں لیڈروں میں کبھی دلچسپ نوک جھونک بھی ہو جاتی تھی۔ ایک دن گاندھی جناح سے کہنے لگے ''آپ نے مسلمانوں کو شیشے میں اتار لیا ہے۔'' جناح بولے ''آپ نے ہندوؤں کو دیوانہ بنا دیا ہے۔''

ایک اور دن جب دونوں لیڈروں کو صحافیوں اور پریس فوٹو گرافروں نے گھیر لیا تو گاندھی جناح سے مخاطب ہوئے ''یہ سب آپ کو اچھا لگتا ہے نا؟'' جناح نے فوراً کہا

''آپ سے کم۔'' فکر و نظر کے یہ فاصلے آخر تک قائم رہے۔ ۱۹۴۰ء میں قائداعظم نے گاندھی کی ایک تقریر پڑھ کر کہا ''اپنی تقریر کو سمجھنا آپ کا ہی کام ہو سکتا ہے۔'' ایک اور وقت جناح نے گاندھی سے کہا ''آپ وہ کہتے ہیں جو لوگ سننا چاہتے ہیں۔ میں وہ کہتا ہوں جسے حق سمجھتا ہوں''۔

۱۹۱۸ء میں مشہور ہندو بیرسٹر دیوان چمن لال نے جناح کو گاندھی سے یوں مخاطب ہوتے ہوئے سنا۔ ''آپ کا طریقہ کار غلط ہے۔ میرا طریقۂ کار صحیح ہے۔ اس لئے کہ اصولوں اور قانون کا راستہ ہی سچا راستہ ہوتا ہے۔''..... ''آپ دیکھیں گے کہ منزل مقصود مجھے حاصل ہوگی۔''

ہندو عوام گاندھی کی جذباتی قیادت سے متاثر ہونے لگے تو قائداعظم کچھ عرصے کے لئے سیاسی افق سے پیچھے ہٹ گئے۔ لیکن ہیکٹر کے بقول قائداعظم کی یہ خاموشی ایک منجھے ہوئے منصوبہ ساز ذہن کی حکمت عملی تھی۔

جھپٹنا پلٹنا پلٹ کر جھپٹنا
لہو گرم رکھنے کا ہے اک بہانہ

دیوان چمن لال نے ہیکٹر کو یہ بھی بتایا کہ ''رزم ہو یا بزم جناح ایک سچے کھرے اور دل لبھانے والے انسان تھے۔ وہ کسی بھی قیمت پر ناقابل خرید تھے۔'' جناح اپنے مقاصد کے حصول کے لئے آئین و قانون اور سچائی کی راہ پر یقین رکھتے تھے جب کہ گاندھی کو سیدھے سادے طریقے سے اپنا مقصد حاصل ہوتا نظر آتا تو وہ خوش نہیں ہوتے تھے۔ گاندھی نے انتہائی غیر محتاط نعرے بلند کرنے شروع کئے مثلاً ''مسلمانوں اور عیسائیوں نے ایک بھی گائے ذبح کی تو ہم ہندوستان میں خون کی ندیاں بہا دیں گے۔'' ہندو لیڈروں اور عوام نے اس طرح کی سیاست کے باوجود گاندھی اور کانگریس کی حمایت جاری رکھی۔ جناح ہندو مسلم اتحاد سے مایوس ہو گئے اور برصغیر کی سیاست کو چھوڑنے کا ارادہ کر کے ۱۹۳۱ء میں برطانیہ چلے گئے۔ اس سے پہلے ۱۹۱۳ء، ۱۹۱۴ء اور ۱۹۲۵ء اور ۱۹۲۸ء میں بھی وہ برطانوی سامراج کا ذہن پڑھنے اور دیگر سیاسی وجوہ کی بناء پر برطانیہ کا بحری سفر کر چکے تھے۔

وہ اس تمام عرصے کے دوران اپنی گھریلو زندگی کو ایک فریضہ کی طرح نباہ رہے تھے۔ ۱۵ اگست ۱۹۱۹ء کو ان کی اکلوتی اولاد ڈینا جناح پیدا ہو چکی تھی۔ رتن بائی جناح اپنے نامور شوہر کے سیاسی اور سماجی رتبے سے خوب محظوظ ہوتی رہیں۔ البتہ جناح کے پاس گھریلو تفریحات کے لئے وقت ہمیشہ تنگ پڑتا تھا۔ گاندھی کی اشتعال انگیز پالیسیوں کی وجہ سے ملک میں جو بدامنی اور افراتفری پھیل رہی تھی وہ جناح کو بہت متفکر کر دیتی تھی۔ رتن بائی جناح اپنے شوہر کی پیشہ وارانہ مصروفیات سے گھبرا کر ۱۹۲۸ء میں اپنے ماؤنٹ پلیزنٹ روڈ والے گھر سے بمبئی کے تاج محل ہوٹل میں منتقل ہو گئیں۔ جب گھرانے کے لوگوں نے شوہر اور بیوی کی صلح کروانا چاہی تو جناح بولے ''صاف بات ہے قصور میرا ہے۔'' قائداعظمؒ کی تمام زندگی میں یہی ایک موقع ہے جہاں انہوں نے اپنی غلطی تسلیم کی ہو۔ بقول ہیکٹر جناح کی فہم و دانش اور خود اعتمادی ان حدوں تک پہنچی ہوئی تھی جہاں انہیں اپنی خطا کا گمان بھی نہ گزرتا تھا۔ ممکن ہے آپ اسے غرور کہہ دیں لیکن حقیقت یہی

ہے کہ غلط فیصلے جناح کی زندگی میں نظر ہی نہیں آتے۔

۱۹۲۸ء میں دیوان چمن لال کے ساتھ برطانیہ جاتے ہوئے جہاز نہر سوئز پر ٹھہرا تو جناح اپنے شاندار لباس میں ہی اونٹ پر سوار ہو کر ابوالہول دیکھنے چل دیئے۔ دیوان چمن لال گدھے پر بیٹھے ہوئے ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔ جناح برطانیہ پہنچے تو رتی جناح پہلے سے پیرس پہنچی ہوئی تھیں۔ جناح بھی فوراً پیرس آ گئے جہاں رتی بائی ایک ہسپتال میں زیر علاج تھیں۔ جناح نے رتی کے علاج کا بہترین اہتمام کیا۔ وہ صحت یاب ہو گئیں اور چند روز بعد اپنی تمام تر شگفتگی کے ساتھ بمبئی کے لئے روانہ ہو گئیں۔ دیوان چمن لال نے ۱۹۵۳ء میں ہیکٹر سے کہا ''یقین کیجئے آج دنیا میں کہیں بھی رتی جناح جیسی حسین اور دلکش خاتون موجود نہ ہو گی!'' جناح جذبات سے عاری نہیں تھے اور رتی کو دل و جان سے چاہتے تھے لیکن ان کے سامنے ایک بہت بڑا اور بلند مشن تھا۔ ان کی زندگی میں چند ہی مواقع ایسے آئے جب ان کی آنکھوں میں آنسو دیکھے گئے۔

۱۔ ۱۹۲۹ء میں جب رتی جناح بخار سے بمبئی میں وفات پا گئیں۔

۲۔ جب ان کی اکلوتی بیٹی ڈینا نے غیر مسلم سے شادی کر لی۔

۳۔ آزادی سے ۲۰ برس پہلے جب کچھ سیاستدانوں نے یہ مضحکہ خیز دعویٰ کیا کہ جناح برصغیر کے مسلمانوں کی نمائندگی نہیں کرتے۔

۴۔ (کراچی کے پہلے میئر اور معمار جمشید نصروانجی کے بقول جناح میں انسانیت کا احساس اتنا بڑھا ہوا تھا کہ) جنوری ۱۹۴۸ء کی بات ہے شہر کراچی میں وہ ایک کیمپ کے معائنے پر گئے جہاں ہندو ٹھہرے ہوئے تھے۔ اس مہاجر کیمپ کے ناقص انتظامات دیکھ کر جناح کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔

ایک انگریز میجر جنرل کی بیگم مسز فریتھ نے رتی کی وفات کے بعد قائداعظم کو قریب سے دیکھا۔ وہ لکھتی ہیں۔ ''جناح عظیم شخصیت کے حامل ہیں۔ ان کا وقار ہر صورتحال میں ان کے ساتھ رہتا ہے۔ وہ بہترین گفتگو کرتے ہیں ان کا لباس اور ان کے آداب برطانیہ کے عظیم مشاہیر کی یاد دلاتے ہیں۔ اگر برصغیر کو آزادی نہ مل رہی ہوتی تو وہ نئے وائسرائے نظر آتے۔''

۱۹۳۱ء کی لندن گول میز کانفرنس میں علامہ اقبالؒ بھی تشریف لائے ہوئے تھے۔ (چودھری رحمت علی بھی ان دنوں جناح سے ملے تھے) بقول ہیکٹر علامہ اقبالؒ کا صرف عام مسلمانوں پر ہی نہیں جناح پر بھی بہت گہرا اور دیرپا اثر تھا۔ علامہ ۱۹۳۰ء میں مسلم لیگ کے اجلاس الہ آباد میں کہہ چکے تھے کہ ایک غیر منقسم ہندوستان خانہ جنگی کا باعث ہو گا اور ایک علیحدہ مسلم مملکت کا قیام بالآخر برصغیر کے مسلمانوں کی تقدیر اور منزل بن کر رہے گا۔ جناح جیسا مدبر لیڈر اقبالؒ کے نظریات کا قائل ہو کر رہا۔ جناح برطانیہ اور ہند کی سیاست کا جائزہ لیتے رہے اور کچھ عرصہ لندن کے پریوی کونسل بار میں گھن گرج کے ساتھ وکالت بھی کرتے رہے۔

۱۹۳۱ء میں ہی جناح نے ایک انگریز لیڈی گراہم

ووڈ سے ایک تین منزلہ والا خریدا۔ لیڈی گراہم ووڈ نے ہیکٹر بولیتھو کو بتایا کہ وہ آج تک جناح کو ایک نہایت خوبرو، رحم دل اور بہت ہی بڑے آدمی کے طور پر یاد کرتی ہیں۔ وہ ہمیشہ سے وقت کے پابند انسان تھے۔ ہر صبح ٹھیک نو بجے جناح کا انگریز ڈرائیور ''بریڈ بری'' آفس لے جانے کے لئے دروازے پر گاڑی لا کھڑی کرتا تھا۔ انگریز جج ''لارڈ جووٹ'' کہتے ہیں کہ لندن کے قانونی حلقوں میں جناح کی مہارت اور دور اندیشی کی دھوم مچی ہوئی تھی۔ مس فاطمہ جناح اور ڈینا جناح ان دنوں قائداعظم کے ساتھ ہی رہتی تھیں۔ اپنے عظیم بھائی کی دیکھ بھال کی خاطر مس فاطمہ جناح نے بمبئی میں دندان سازی کی کامیاب پریکٹس چھوڑ دی تھی۔ جناح نے اپنی زندگی کے اس پرسکون دور کا بھرپور فائدہ اٹھایا۔ وکالت کے ساتھ ساتھ وہ اپنے آپ کو ایک فتح عظیم کے لئے تیار کرتے رہے۔ اسی دوران انہوں نے مصطفیٰ کمال اتاترک کی داستان حیات ''سرمئی بھیڑیا'' پڑھی۔ عجیب بات یہ ہے کہ جناح جیسے صاف ستھرے کردار کا حامل شخص مصطفیٰ کمال جیسے رنگین مزاج آدمی کی داستان میں دلچسپی لیتا رہا۔ لیکن جناح کی یہ دلچسپی ایک فرد میں نہیں اس کی جدوجہد آزادی میں تھی۔

ہیکٹر کا بیان ہے کہ اتاترک مصطفیٰ کمال پاشا نے فوجی دستوں سے جو فتح اور منزل حاصل کی جناح نے اس سے زیادہ کامیابی بغیر تلوار کے اور اپنی نکھری ہوئی سوچ اور دلائل سے حاصل کر لی۔

صاحبو! یہاں پہنچ کر مصنف ہیکٹر بولیتھو نواب زادہ لیاقت علی خاں کا ذکر بھی بڑی عقیدت سے کرتا ہے۔ وہ ۱۸۹۶ء میں پیدا ہوئے تھے اور قائداعظم سے بیس برس چھوٹے تھے۔ ۱۹۱۸ء میں لیاقت نے علی گڑھ سے گریجویشن کیا اور ۱۹۲۲ء میں برطانیہ سے قانون کی ڈگری لی لیکن انہوں نے وکالت کی بجائے فوراً ہی سیاست کے خارزار میں قدم رکھ دیا۔ ۱۹۲۸ء میں لیاقت علی خاں پہلی بار قائداعظم سے کلکتہ میں ملے اور فوراً ہی ان کے عقیدت مندوں میں شامل ہو گئے۔ جناح اور لیاقت کی باہمی دوستی اور اعتماد آخر دم تک قائم رہا۔ قائداعظم بجا طور پر لیاقت کو اپنا دست راست کہا کرتے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے ان دونوں ہستیوں کو قدرت نے کسی خاص منصوبے کے تحت ملوایا ہے۔ جہاں قائداعظم تعلیم یافتہ ذہنوں کو متاثر کرتے تھے وہاں لیاقت کا کمال یہ تھا کہ وہ غیر تعلیم یافتہ عوام تک مسلم لیگ کا پیغام پہنچانے میں انتہائی کامیاب رہے۔ حق تو یہ ہے کہ جناح کو لیاقت جیسے مخلص ساتھی کی سخت ضرورت تھی۔ لیاقت بلا کے منتظم ہونے کے باوجود اپنی ذات اور نام و نمود کی خاطر کوئی قدم نہیں اٹھاتے تھے۔ انہیں جناح کا پیروکار رہنا اور ان کے سائے میں رہنا دل و جان سے منظور تھا۔

جولائی ۱۹۳۳ء کی بات ہے نواب زادہ لیاقت علی خان رعنا سے شادی کرتے ہی اپنی نئی نویلی دلہن کو یورپ لے گئے۔ برطانیہ میں نواب زادہ اور بیگم رعنا جناح سے ملے اور ان سے ہندوستان آنے کی بھرپور استدعا کی۔ لیاقت کو یقین تھا کہ جناح ہی وہ فرد ہیں جو برصغیر میں مسلم لیگ کی قیادت کر سکتے ہیں اور مسلمانان ہند کو اس وقت کی سیاسی چکی میں پسنے سے بچا سکتے ہیں۔ لیاقت نے جناح سے کہا ''مسلمانان ہند کو

ایک ایسا لیڈر چاہئے جو ناقابل خرید ہو۔'' بیگم رعنا لیاقت علی خان نے ۱۹۵۲ء میں ہیکٹر کو بتایا کہ قائداعظم اس وقت برطانیہ میں اپنی وسیع کوٹھی' آرام دہ زندگی' مالی آسودگی اور پیشہ وارانہ کامیابیوں میں اتنے مطمئن نظر آتے تھے کہ ان کا ہندوستان آنا محال دکھائی دیتا تھا۔ لیاقت کے اصرار پر جناح تھوڑی دیر کو سوچ میں ڈوب گئے۔ یوں محسوس ہوتا تھا کہ لیاقت کا ایک جملہ ان کے دل میں اتر گیا۔ ''ہندوستان کے مسلمانوں کو آپ کی ضرورت ہے۔''

بیگم رعنا لیاقت علی ایک عرصہ سے قائداعظم کو اپنا اور قوم کا ہیرو سمجھتی تھیں لہٰذا انہوں نے بھی اپنے شوہر کی درخواست کو مزید موثر بنانے کے لئے قائداعظم سے کہا ''میں وعدہ کرتی ہوں کہ خواتین کو آپ کے مشن کی تکمیل کے لئے آگے لاؤں گی۔'' بالآخر جناح نے لیاقت اور بیگم لیاقت سے کہا کہ وہ واپس ہندوستان جا کر ملک کے کونے کونے میں لوگوں کے احساسات کا جائزہ لیں۔ اس کے بعد بھی آپ نے مجھے بلایا تو میں ہندوستان آجاؤں گا۔ ''مجھے آپ کی حکمت اور صوابدید پر اعتماد ہے۔''

نوابزادہ لیاقت علی خان فطرتاً ہر معاملے کی تہ تک پہنچنے اور باریکیوں کا جائزہ لینے کے عادی تھے۔ انہوں نے ہندوستان واپس جا کر قائداعظمؒ کے حکم پر عمل کر دکھایا۔ ملک بھر کے سو سے زائد لیڈروں سے ملے اور جب خود قائل ہو گئے تو انہوں نے قائداعظم کو لکھ بھیجا ''آپ کا ہندوستان آنا بہت ضروری ہے اور آپ کی آمد کے لئے فضا نہایت سازگار ہے۔'' جناح جلد ہی سفر کی تیاریوں میں مشغول ہو گئے۔

برطانیہ میں احباب نے جب ان کے گھر اور دفتر کا بیش قیمت سامان خریدنا چاہا تو قائداعظم نے بے پروائی سے کہا ''مجھے اس ساز و سامان سے کوئی لگاؤ نہیں۔ یہ سب آپ کا ہے۔ میں ایک عظیم مشن پر انڈیا جا رہا ہوں۔''

اپریل ۱۹۳۴ء میں ماؤنٹ پلیزنٹ روڈ بمبئی پر واقع جناح کا پرانا گھر دوبارہ آباد ہو گیا اور بقول دیوان چمن لال برصغیر کے مسلمانوں کی بیداری کا ستارہ پوری آب و تاب کے ساتھ چمکنا شروع ہو گیا۔

لیاقت علی خان کی رفاقت میں جناح عوام کے بھی قریب آتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ ۱۹۳۶ء میں لاہور میں ایک مسجد کے بارے میں مسلمانوں اور سکھوں میں فسادات شروع ہوئے تو قائداعظم کی ایک مختصر امن کی اپیل نے لاکھوں مسلمانوں کے مشتعل جذبات کو قابو کر لیا اور برطانوی حکومت نے جناح کی دانش مندانہ حکمت عملی اور مثبت لیڈرشپ کا دلی شکریہ ادا کیا۔

۱۹۳۴ء کی بات ہے جب علامہ اقبالؒ جیسے عظیم مفکر مسلمانان ہند اور خصوصاً نوجوانوں کی بے عملی سے بے زار ہو کر یہ کہنے پر مجبور ہو گئے تھے۔

ترے صوفے ہیں افرنگی ترے قالیں ہیں ایرانی
لہو مجھ کو رلاتی ہے جوانوں کی تن آسانی

اس مایوس کن دور میں جناح کی ولولہ انگیز قیادت نے مسلم لیگ اور مسلمانوں کے تن مردہ میں نئی روح پھونک دی۔ ایسا انقلاب اس صورتحال کے باوجود واقع ہوا کہ جناح ایک چومکھی جنگ لڑ رہے تھے۔ ۱۹۳۷ء کے ملک گیر انتخابات

میں کانگریس کی کامیابی پر پنڈت جواہر لال نہرو نے بلند بانگ دعویٰ کیا کہ ملک میں صرف دو پارٹیاں ہیں ایک کانگریس اور دوسرے انگریز۔ قائداعظم نے اس بیان کا سختی سے نوٹس لیتے ہوئے کہا ''جی نہیں! ایک تیسری پارٹی بھی ہے اور وہ ہیں مسلمان۔'' جناح نے یہ بھی کہا کہ ''نہرو ایک کھلنڈرا کارٹون Peter Pan ہے۔ وہ نہ کبھی کچھ سیکھے گا اور نہ کبھی طوطے کی طرح رٹا ہوا سبق بھولے گا۔'' ۱۹۳۷ء کے انتخابات میں مسلم لیگ کی شکست کے بعد جناح اپنی ماؤنٹ پلیزنٹ والی کوٹھی میں مکمل تنہائی میں اپنا کام کرتے رہے۔ شاید وہ کچھ دل شکستہ تھے لیکن مایوس ہرگز نہیں تھے۔ گہرے غور وفکر کی خاطر انہوں نے کئی ہفتے سیکریٹری تک نہیں رکھا۔ اس دوران وہ اپنی میز کی دراز سے ۲۸ مئی ۱۹۳۷ء کا لکھا ہوا علامہ اقبالؒ کا خط نکال کر بار بار پڑھتے۔ ''مسلم انڈیا کے مسئلے کا حل صرف یہ ہے کہ اکثریتی صوبوں میں مسلمانوں کی ایک یا زائد آزاد مملکتیں قائم کر دی جائیں۔ آپ کے خیال میں کیا ابھی تک اس مطالبے کا وقت نہیں آیا؟ یاد رکھئے ایک بہت بڑا طوفان آنے والا ہے اور مسلمانوں کا حق ہے کہ وہ آپ کی طرف رہنمائی کے لئے دیکھیں اور آپ سے اپنے سفینے کی ناخدائی کی درخواست کریں۔'' علامہ اقبالؒ کا ارشاد حسب معمول قائداعظم کے لئے بہت اہم ثابت ہوا۔ انہوں نے ۱۵ اکتوبر ۱۹۳۷ء کو لکھنؤ میں تقریر کرتے ہوئے کانگریس کی ہندو پرور حکمت عملی پر کڑی تنقید کرتے ہوئے مسلمانوں کے حقوق کے تحفظ کا اظہار کر دیا۔ اب وہ مسلمانان برصغیر کے تقدیر ساز رہنما تھے۔ تقسیم سے دس برس پہلے انہوں نے بے مثال دور اندیشی کے ساتھ کہہ دیا کہ آزادی کی منزل میں ہمیں آگ اور خون کے دریا سے بھی گزرنا پڑا تو ہمیں اس سے دریغ نہیں کرنا چاہئے ورنہ ہمیں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے غریب، کمزور، جاہل اور ہندوؤں کا غلام ہو کر رہنا پڑے گا۔ پھر انہوں نے اپنا مشہور زمانہ جملہ کہا ''فیصلہ کرنے سے پہلے سو بار سوچ لیجئے لیکن جب آپ فیصلہ کر چکیں تو اس پر فردِ واحد کی طرح جم جائیے''۔

۱۹۳۷ء سے ۱۹۳۹ء کے دوران گاندھی اور نہرو جناح کو متعدد بار تحریر اور تقریر کے ذریعے ان کے محکم ارادے سے ہٹانے کی کوشش کرتے رہے لیکن جناح کا عزم کوہ گراں سے کم نہیں ہوتا تھا۔ نہرو نے ایک بار لکھا ''یہ تو بتائیے کہ آخر ہندو مسلم کا جھگڑا کیا ہے؟'' جناح نے جواب دیا ''مجھے آپ کی کم علمی پر حیرت ہوتی ہے یہ موضوع تو ۱۹۲۵ء سے سیاست وصحافت کی ہر سطح پر زیر بحث آتا رہا ہے۔''

(یہی وہ دور ہے جب ایک ہندو صحافی نے رات گئے جناح کو کام کرتے دیکھ کر کہا تھا کانگریس کے سب لیڈر تو سو رہے ہیں۔ آپ اب تک جاگ رہے ہیں؟ تو جناح نے بے ساختہ جواب دیا تھا۔ ان کی قوم جاگ رہی ہے اس لئے وہ سو رہے ہیں اور میری قوم سو رہی ہے اس لئے میں جاگ رہا ہوں۔)

جناح کی فکر میں اتنی وسعت اور گہرائی تھی کہ وہ ہندوستان کی سیاست میں انتہائی مشغولیت کے باوجود دیگر ممالک کے حالات سے پوری طرح آگاہ رہتے تھے۔ ۸ اکتوبر ۱۹۳۸ء میں کراچی میں تقریر کرتے ہوئے انہوں نے کہا ''انگریزوں نے عربوں کو فلسطین میں بھیڑیوں کے آگے

پھینک دیا ہے۔ انگریز صرف قوت کی زبان سمجھتا ہے۔''

تھی حقیقت سے نہ غفلت فکر کی پرواز میں
آنکھ طائر کی نشیمن پر رہی پرواز میں

☆☆☆

امید کیا ہے سیاست کے پیشواؤں سے
یہ خاک باز ہیں رکھتے ہیں خاک سے پیوند

ہیکٹر بولیتھو کے بقول برصغیر کی خاکباز سیاست میں جناح دیگر تمام لیڈروں میں منفرد نظر آتے تھے۔ کانگریس کے بڑے لیڈروں گاندھی، نہرو اور پٹیل کے مقابل جناح کا طریقۂ کار ایسا نظر آتا تھا جیسے ٹونے ٹوٹکے اور جھاڑ پھونک کرنیوالوں کے مقابل کوئی ماہر سرجن۔ سیاست کا یہ مزاج جناح کے طفیل مسلم لیگ میں سرایت کر گیا تھا۔

علامہ اقبالؒ نے ۲۱ اپریل ۱۹۳۸ء کو اپنی وفات سے پہلے جناح کو یہ زریں اصول بخوبی سمجھا دیا تھا کہ مسلمانوں کی کسی بھی سیاسی تحریک کی کامیابی کے لئے یہ بات ازبسکہ ضروری ہو گی کہ اس تحریک کے پروگرام میں عوام الناس کی بہتری کا عہد شامل ہو۔

عمر کے ساتھ ساتھ قائداعظمؒ نوجوانوں اور خصوصاً طلباء سے گھلنے ملنے لگے تھے۔ کبھی طلباء ان کی کوٹھی میں آ کر بطور مہمان رہ جاتے اور قائداعظمؒ ان کا بہت خیال رکھتے تھے۔ آکسفورڈ سے نووارد ایک نوجوان ابراہیم حبیب اللہ نے ایک بار قائداعظمؒ کے گھر مہمان ہوتے ہوئے ان سے سخت اختلاف کیا۔ وہ نوجوان ڈر رہا تھا کہ کہیں قائداعظمؒ ناراض نہ ہو جائیں لیکن اس نے ڈانٹ کے بجائے ایک شفقت بھری آواز سنی ''مجھے آپ جیسے نوجوانوں کی ضرورت ہے۔ آیئے اور میرے قافلے میں شامل ہو جایئے۔''

۱۹۳۵ء کی بات ہے علی گڑھ سے ایک طالب علم محمد نعمان دہلی آیا اور اسمبلی میں جناح کی تقریر سنی۔ وہ فوراً ہی جناح کا گرم جوش اور وفادار مداح بن گیا۔ محمد نعمان نے ہیکٹر کو بتایا کہ جناح اتنے بڑے آدمی ہوتے ہوئے بھی طلباء سے ملاقات بڑی آسانی سے کر لیا کرتے تھے۔ نعمان اپنے دوست کے ساتھ اسمبلی کا اجلاس ختم ہونے کے ساتھ دہلی میں قائداعظمؒ کے گھر پہنچ گیا۔ ایک کارڈ پر محمد نعمان نے ''علی گڑھ کے دو طلباء'' لکھ کر گھر کے خادم کو وہ کارڈ تھما دیا۔ جناح نے فوراً ہی دونوں طلباء کو اندر بلا لیا، پھر ایک گھنٹے تک لہو گرما دینے والی گفتگو کی۔ اگلے سال لکھنؤ میں آل انڈیا اسٹوڈنٹس کانفرنس منعقد ہوئی جس کی صدارت مسٹر جناح کر رہے تھے اور اس کا افتتاح پنڈت نہرو نے کیا تھا طلباء کے ہجوم میں بمشکل چھ مسلمان تھے۔ جناح نے زبردست تقریر کی اور کانگریس پر ایک خالص ہندو جماعت ہونے کا الزام لگایا۔ محمد نعمان نے ہیکٹر کو بتایا کہ اس بھرے جلسے میں انہیں مسلم طلباء کی سخت کمی محسوس ہوئی اور شاید قائد کو بھی محسوس ہوئی ہو لہٰذا چند روز بعد علی گڑھ میں میں نے بڑے احترام سے قائداعظم کی خدمت میں یہ تجویز پیش کی کہ خالص مسلمان طلباء کی تنظیم ''آل انڈیا مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن'' بنائی جائے وہ فوراً مان گئے جلد ہی پچاس ہزار طلباء کی یہ تنظیم ملک کے طول و عرض میں چھا گئی۔ محمد نعمان کو دو برس سے زائد قائداعظم کی رہنمائی میں کام کرنے کا موقع ملا۔ وہ نوجوان طلباء کے ساتھ بھی جذباتی طور طریقے

نہیں اپناتے تھے۔ انہیں حقیقت پسندی کا درس دیتے تھے۔ طلباء کی یہ تنظیم اتنی تیزی سے آگے بڑھی کہ ۱۹۳۷ء کے اجلاس کلکتہ میں اس تنظیم کے ۳۰۰ وفود ملک کے کونے کونے سے حاضر ہوئے۔ قائداعظم نے یہ کہہ کر ان میں ولولہ پیدا کر دیا ''آپ ایک بہترین تنظیم کے نوجوان کارکن ہیں اگر آپ نے اپنے جذبوں کو شاداب رکھا تو آپ میں کئی جناح پیدا ہوں گے۔''

قائداعظم کی حسِ مزاح کی ایک مثال دیتے ہوئے محمد نعمان نے ہیکٹر کو بتایا ''میں بہت اچھا نقال تھا اور انتہائی مہارت سے قائداعظم کی نقل اتارا کرتا تھا۔ وہی ہوا کو کاٹتی ہوئی دائیں ہاتھ کی انگشتِ شہادت' گہری پُراعتماد آواز اور شخصیت اور چہرے پر حد درجہ وقار اور متانت' ایک دن قائداعظم نے مجھے بلایا اور کہا سنا ہے تم میری نقل بہت اچھی اتارتے ہو۔ ذرا میں بھی تو دیکھوں۔ میں حکم بجالایا قائداعظم اتنے خوش ہوئے کہ اپنا ہیٹ اور مونوکل عدسہ مجھے دیتے ہوئے بولے ''یہ اپنے پاس رکھو۔ اس سے تمہاری کوشش میں اور زیادہ حقیقت کا رنگ آجائے گا۔''

(یہ لہراتی ہوئی انگلی' مونوکل کا آنکھ پر لگانا' اتارنا اور خاموشی کے ساتھ ہجوم کو چند لمحے ٹکٹکی باندھ کر دیکھنا قائداعظم کے ایسے انداز تھے جو بڑے سے بڑے ہجوم کو چشم زدن میں قابو میں لے آیا کرتے تھے۔)

اصول پسندی کا ایک اور درس ملاحظہ کیجئے۔ ۱۹۳۸ء میں محمد نعمان نے انگلستان جا کر اپنی تعلیم مکمل کرنے کے لئے حکومت حیدرآباد دکن سے مالی اعانت کی درخواست کی۔ قائداعظم کو معلوم ہوا تو فرمایا ''نہیں تم خود اپنی قوت کے بل بوتے پر آگے بڑھو۔'' اس کے ساتھ ہی یہ گرانقدر مشورہ بھی دیا کہ محمد نعمان مسلم لیگ کی تاریخ لکھیں اور اس کتاب کی رائلٹی سے ہونے والی آمدنی اپنی تعلیم پر خرچ کریں۔ اس کے بعد قائداعظم نے اس نوجوان کو نہ صرف ضروری کاغذات مہیا کئے بلکہ گھنٹوں اس کے ساتھ بیٹھتے رہے یہاں تک کہ کتاب مکمل ہوگئی۔ قائداعظمؒ میں انتہا درجہ صبر و تحمل اور قوتِ برداشت تھی۔

۱۹۳۰ء کی دہائی کے ایک اور طالب علم کیپٹن سعید عباس نے ہیکٹر کو بتایا کہ قائداعظمؒ طلباء کے دلوں اور ذہنوں پر راج کرتے تھے۔ ۱۹۳۷ء اور ۱۹۳۸ء میں دورۂ الٰہ آباد کے دوران طلباء نے قائداعظم کا ایسا بھرپور استقبال کیا جو کبھی کسی سیاسی شخصیت کو نصیب نہیں ہوا تھا۔ دہلی جانے والی کلکتہ میل ٹرین الٰہ آباد کے باہر دو گھنٹے صرف اس لئے رکی رہی کہ پلیٹ فارم اور ریل کی پٹریوں سے ہجوم کو منتشر کیا جا سکے۔ مسلم طلباء کے لئے قائداعظمؒ ہندوستان بھر میں مسلم بیداری کی درخشندہ علامت تھے اور ہندو طلباء انہیں آزادی کا ناقابل تسخیر علمبردار سمجھتے تھے۔ الٰہ آباد یونیورسٹی میں خطاب کرتے ہوئے قائداعظم نے صاف صاف اعلان کر دیا ''حضرات! اگر اس ملک کے لاکھوں کروڑوں انسانوں کی زندگی بہتر بنانا فرقہ واریت ہے اور اگر اس ملک کے مسلمانوں کی سماجی' معاشی اور سیاسی ترقی فرقہ واریت ہے تو میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ مجھے ایسا فرقہ پرست ہونے پر فخر ہے۔''

اپنی زبردست سیاسی مصروفیات اور گہما گہمی میں

قائداعظم کی نرم دلی اور انسانیت کے لئے محبت کم نہ ہوئی تھی۔ ۱۹۳۹ء کی بات ہے قائداعظمؒ کے قیام کوئٹہ کے دوران ان کی میزبان خاتون کا دو سالہ بیٹا ''دادا جناح دادا جناح'' کہہ کر ان سے لپٹ جاتا تھا پھر قائداعظم اسے گود میں بٹھا کر دیر تک توتلی توتلی باتیں کرتے رہتے تھے اور شوفر کے ساتھ خود باہر جا کر اس کے لئے کھلونے لاتے۔

۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کو آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس لاہور میں قرارداد لاہور منظور کی گئی۔ بہت سے مخالفین نے جناح کو قائل کرنے کی کوشش کی کہ پاکستان کے قیام میں اور اس کے بعد بے شمار دشواریوں کا سامنا ہو گا مثلاً معاشی، سرحدی، دفاعی اور تنظیمی مشکلات، ہیکٹر لکھتا ہے کہ قائداعظم کو خدا نے وہ صلاحیت عطا کی تھی کہ وہ منزل پر اپنی توجہ مرکوز رکھ کر راہ کی چھوٹی چھوٹی مشکلوں کو خاطر میں نہیں لاتے تھے۔

عرفی تو ماندیش زغوغائے رقیباں
آوازِ سگاں کم نہ کند رزقِ گدارا

سیاسی بصیرت کی ایک اعلیٰ مثال دیکھئے مسلم لیگ کے مخالف کچھ خاکسار ۱۹۴۰ء میں پولیس کی فائرنگ سے ہلاک و زخمی ہو گئے۔ تمام سیاسی مخالفت بالائے طاق رکھ کر زخمیوں کی عیادت کے لئے جناح بہ نفس نفیس ہسپتال پہنچ گئے۔ اسی روز جب مسلم لیگ کا اجلاس شروع ہوا تو خاکساروں کی مخالفت بڑی حد تک سرد ہو چکی تھی۔ صرف چند لوگوں نے جلسے میں گڑبڑ پھیلانے کی کوشش کی۔ قائداعظم نے اپنے مخصوص انداز میں جلسے پر ایک خاموش لیکن گہری نگاہ ڈالی۔ اپنا مونوکل ٹھیک کیا۔ ہزاروں کا مجمع چشم زدن میں دم بخود ہو گیا۔ (پروفیسر خالد بن سعید یادوں کا دریچہ کھولتے ہوئے کہتے ہیں کہ قائداعظمؒ نے ایک لفظ ہی کہا تھا جو ان کے گلے سے نہیں دل سے نکلا تھا۔ سائلنس "Silence")۔

قائداعظمؒ کھل کر کہا کرتے تھے ''مسلم خواتین کو گھر کی چار دیواری میں قیدیوں کی طرح بند رکھنا انسانیت کے خلاف جرم ہے۔ دنیا کی کوئی قوم عروج نہیں پا سکتی جب تک اس قوم کی خواتین مردوں کے شانہ بہ شانہ نہ چلیں۔''

قرارداد پاکستان منظور ہونے کے بعد قائداعظم نے مطلوب سید سے کہا ''کاش اقبالؒ آج زندہ ہوتے تو دیکھتے کہ ہم نے بالکل وہی کیا ہے جو وہ چاہتے تھے۔'' اگلی صبح کے اخباروں میں قرارداد پاکستان کی خبر شہ سرخیوں کے ساتھ چھپی (قرارداد لاہور کو قرارداد پاکستان کا نام اخبارات نے دیا تھا) قائداعظم بولے ''دنیا کی کوئی طاقت پاکستان کو قائم ہونے سے نہیں روک سکتی۔''

۲۵ دسمبر ۱۹۴۰ء کو قائداعظم کی ۶۴ ویں سالگرہ کے موقع پر ہندوستان کے طول و عرض سے تہنیت کے پیغامات کی بارش ہونے لگی۔ بے شمار مسلمانوں، ہندوؤں اور انگریزوں نے اپنے اپنے الفاظ میں انہیں ''فخرِ ہندوستان''، صفِ اول کے لیڈر ''سچے محبِ وطن''، قافلۂ آزادی کے سالار، ایک نڈر اور بے باک راہنما، ناقابلِ خرید سیاستدان'' کہا لیکن بہترین خراجِ عقیدت ایک ہندو ہری جن لیڈر راؤ بہادر ایم سی راجا نے پیش کیا۔

سکھلائی فرشتوں کو آدم کی تڑپ اس نے
آدم کو سکھاتا ہے آدابِ خداوندی

(جاری ہے)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ایاز حسین انصاری

محترم ومکرم جنرل پرویز مشرف صاحب' صدر پاکستان' اسلامی جمہوریہ پاکستان

آج کل ہمارے ہاں ایک نظری بحث چل رہی ہے کہ ہم نے پاکستان کیوں مانگا تھا۔ اس ضمن میں بھانت بھانت کی بولیاں بولی جارہی ہیں حالانکہ 23 مارچ 1940ء کا دن ہمارے سامنے ہے۔ اس دن مسلمانانِ ہند نے نہ صرف انگریز اور ہندو کی غلامی سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے عزم کیا تھا بلکہ اس دن انہوں نے برملا اعلان کر دیا تھا کہ مسلمان' ایمان کے اشتراک کی بناء پر ایک علیحدہ قوم ہیں اور وہ کسی غیر مسلم قوم کا جزو نہیں بن سکتے' اور ہم ایک ایسا خطۂ زمین حاصل کرنا چاہتے ہیں جس میں ہم دین خداوندی کے مطابق زندگی بسر کرسکیں۔

یہ تھے مطالبۂ پاکستان کے محرکات اور مطالبۂ پاکستان کے بنیادی عوامل۔

اسی روز قائداعظمؒ نے لاہور کے تاریخی اجلاس میں جس میں پاکستان کا ریزولیوشن پاس ہوا تھا اپنے خطبہ صدارت میں فرمایا۔

''میرے لئے یہ اندازہ لگانا مشکل ہے کہ آخر ہمارے ہندو بھائی اسلام اور ہندومت کی حقیقت کو سمجھنے سے کیوں گریز کررہے ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ یہ دونوں مذہب نہیں بلکہ ایک دوسرے سے مختلف معاشرتی نظام ہیں اور اس بناء پر متحدہ قومیت ایک ایسا خواب ہے جو کبھی شرمندۂ تعبیر نہیں ہوسکتا۔ یاد رکھئے ہندو اور مسلمان مذہب کے ہر معاملہ میں دو جداگانہ فلسفے رکھتے ہیں۔ دونوں کی معاشرت ایک دوسرے سے مختلف ہے' یہ دو الگ الگ تہذیبوں سے تعلق رکھتے ہیں جن کی بنیادیں متضاد تصورات پر ہیں۔''

اس کی مزید وضاحت بانی پاکستان قائداعظمؒ نے اگست 1941ء میں عثمانیہ یونیورسٹی کے طالب علموں کے سوال کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ ''اسلامی حکومت کے تصور کا یہ امتیاز ہمیشہ پیش نظر رہنا چاہئے کہ اس میں اطاعت اور وفاکیشی کا مرجع خدا کی ذات ہے۔ جس کی تعمیل کا عملی ذریعہ قرآن مجید کے احکام اور اصول ہیں۔ اسلام میں اصلاً نہ کسی بادشاہ کی اطاعت ہے نہ پارلیمان کی۔ نہ کسی اور شخص کی یا ادارہ کی۔ قرآن حکیم کے احکام ہی سیاست ومعاشرت میں ہماری آزادی اور پابندی کے حدود مقرر کرتے ہیں۔ اسلامی حکومت دوسرے الفاظ میں قرآنی اصول واحکام کی حکمرانی

ہے اور حکمرانی کے لئے آپ کو لامحالہ علاقہ اور مملکت کی ضرورت ہے۔ یعنی اس مملکت کا نظام قرآن کریم کے اصول و احکام کے مطابق ہوگا۔ (قائداعظم محمد علی جناحؒ اورینٹ پریس آف انڈیا' اگست 1941ء بحوالہ روزنامہ انقلاب لاہور مورخہ فروری 1942ء)

قائداعظمؒ نے اس نظریہ کی مزید تشریح نومبر 1945ء میں ایڈورڈ کالج پشاور میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا۔

''ہم دونوں قوموں میں صرف مذہب کا فرق نہیں۔ ہمارا کلچر ایک دوسرے سے الگ ہے ہمارا دین ہمیں ایک ضابطہ حیات دیتا ہے جو زندگی کے ہر شعبے میں ہماری رہنمائی کرتا ہے۔ ہم اس ضابطے کے مطابق زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں۔''

ان تصریحات سے واضح ہے کہ پاکستان اسلام کے نام پر حاصل کیا تھا اور ہم نے عہد کیا تھا کہ اس ملک میں ہم قرآنی نظام قائم کریں گے ہمیں اس عہد کو پورا کرنا ہوگا۔ **اوفو بالعھد**۔ عہد کے بارے میں یقیناً ہم سب سے ضرور پوچھا جائے گا۔ **ان العھد کان مسؤلا** (17:34) اگر ہم نے ایفائے عہد نہیں کیا تو ہمیں ڈرنا چاہئے کہ قانون الٰہی سے ہم بچ نہیں سکیں گے۔ **انی اخاف ان عصیت ربی عذاب یوم** (6:15)۔ ہماری کیفیت ان قوموں سے مختلف نہیں ہوگی جن کے عبرت ناک انجام کی شہادت تاریخی استقراء اور اثری انکشافات دے رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ۔

فاقصص القصص لعلھم یتفکرون (7:176) رسول انہیں ان کی داستان سناؤ تاکہ وہ سوچیں (کہ ہم نے اللہ سے عہد باندھا تھا اور اس کی ایفا کس طرح کی)۔

اللہ تعالیٰ نے جب ہمارے عہد پر انحصار کیا ہمیں پاکستان عطا کیا تو اس کے بعد ہمارا فریضہ بنتا ہے کہ اس حقیقت کبریٰ کو بھی یاد کریں اور بار بار یاد کریں جس کے متعلق قرآن مجید میں فرمایا۔ **ثم جعلنٰکم خلئف فی الارض من بعدھم لننظر کیف تعملون** (10:14)۔ ''پھر ہم نے سابقہ حکمرانوں کے بعد زمان اقتدار تمہارے ہاتھ میں دے دی تاکہ دیکھا جائے تم کیا کرتے ہو۔''

ہم نے کیا کیا؟ 23 مارچ کی یاد کو تو برقرار رکھا لیکن اس کی وجہ تخصیص کو یکسر بھلا دیا۔ تشکیل پاکستان کے بعد قائداعظمؒ نے ساری دنیا سے برملا کہہ دیا تھا کہ مملکت پاکستان میں تھیاکریسی نہیں ہوگی۔ انہوں نے بحیثیت گورنر جنرل پاکستان' اہل امریکہ کے نام فروری 1948ء میں' اپنے براڈ کاسٹ میں کہا:

''پاکستان کانسٹی ٹیونٹ اسمبلی نے ابھی پاکستان کا آئین مرتب کرنا ہے۔ میں نہیں جانتا کہ اس آئین کی آخری شکل کیا ہوگی۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ وہ اسلام کے بنیادی اصولوں کا آئینہ دار' جمہوری انداز کا ہوگا۔ اسلام کے یہ اصول آج بھی اسی طرح عملی زندگی پر منطبق ہو سکتے ہیں۔ جس طرح وہ تیرہ سو

سال پہلے ہو سکتے تھے۔ اسلام نے ہمیں وحدت انسانیت اور ہر ایک کے ساتھ عدل و دیانت کی تعلیم دی ہے۔ آئین پاکستان کے مرتب کرنے کے سلسلے میں جو ذمہ داریاں اور فرائض ہم پر عائد ہوتے ہیں' ان کا ہم پورا پورا احساس رکھتے ہیں۔ کچھ بھی ہو' یہ مسلمہ بات ہے کہ پاکستان میں کسی صورت میں بھی تھیاکریسی رائج نہیں ہوگی۔ جس میں حکومت مذہبی پیشواؤں کے ہاتھ میں دے دی جاتی ہے کہ وہ (بزعم خویش) خدائی مشن کو پورا کریں۔'' (تقاریر بحیثیت گورنر جنرل' ص ۶۵)۔

یہ وضاحت اس لئے بھی ضروری تھی کیونکہ ''قرآنی حکومت'' یا ''خدائی حکومت'' کہنے سے ذہن فوراً تھیاکریسی کی طرف منتقل ہو جاتا ہے لیکن قرآن تھیاکریسی کی بھی شدید مخالفت کرتا ہے۔ ''تھیاکریسی'' میں مذہبی پیشوا (یا ان کی تائید سے' بادشاہ) خدائی اختیار کے حامل سمجھے جاتے ہیں اور وہ دوسرے انسانوں سے ''خدا کے نام پر'' اپنے فیصلے منواتے ہیں۔ قرآن کی رو سے کسی انسان کو ''خدائی اختیارات'' (Divine Rights) حاصل نہیں ہوتے۔ اس کی رو سے قائم شدہ معاشرے میں مذہبی پیشواؤں کا وجود باقی نہیں ہوتا۔ قائداعظمؒ پاکستان کو اسلامی حکومت تو قرار تو دیتے تھے اس وقت آپ اس خطرہ سے بھی آگاہ تھے جو اس مملکت کو ''مذہب کے اجارہ داروں'' کی طرف سے لاحق ہو سکتا ہے۔

قرآنی نقطۂ نظر سے مملکت ایک وہ نظام ہے جس میں جملہ کاروبار حکومت' خدا کی کتاب (قرآن مجید) کے مطابق سرانجام پاتا ہے۔ یہ وہ نظام حکومت تھا کہ جسے قائم کرنے کے لئے حضور نبی اکرمؐ سے ان الفاظ میں کہا گیا تھا کہ: **فاحکم بینھم بما انزل اللہ** (5:48) ان میں کتاب اللہ کے مطابق حکومت قائم کرو۔ اس نظام میں انسانی زندگی کا کوئی شعبہ بھی کتاب اللہ کی حدود سے باہر نہیں رہتا۔ یہ انسانی زندگی کے ہر گوشے کو محیط ہوتی ہے۔ اسے اسلام کے عقیدۂ توحید پر مبنی دینی ریاست کہا جاتا ہے۔ مذہبی پیشوائیت کا اس میں کوئی دخل نہیں ہوتا۔ اس لئے یہ تھیاکریسی سے قطعاً مختلف ہوتی ہے۔

دوسرا نظام حکومت وہ ہے جس میں کتاب اللہ تو ایک طرف خدا کا نام تک بھی نہیں آنے پاتا۔ یہ کافرانہ نظام ہوتا ہے۔ جس کے متعلق قرآن نے کہا: **ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الکافرون** (5:49) جو ما انزل اللہ کے مطابق حکومت قائم نہیں کرتے انہیں کافر کہا جاتا ہے۔ اشتراکی حکومت کا یہی نہج ہوتا ہے۔ کیونکہ مارکس کے فلسفے کی بنیاد خدا کے انکار پر ہے (اگرچہ بہردست وہ بنا بر مصلحت' مسلمانوں کو نماز' روزہ وغیرہ کی اجازت دے دیتے ہیں) اسے سیکولر حکومت کہا جاتا ہے۔ لیکن یہ اس کی ایک قسم ہے۔ اس کی دوسری قسم کا ذکر آگے آتا ہے۔

تیسری قسم کا نظام حکومت وہ ہے جس میں مذہب پرست لوگوں کو' اعتقادات' عبادات اور پرسنل لاز اپنی مرضی سے اختیار کرنے کی اجازت ہوتی ہے۔ لیکن امور مملکت میں مذہب کو دخیل نہیں ہونے دیا جاتا۔ اسے مذہب اور سیاست

کی ثنویت (Dualism) کہا جاتا ہے۔ قرآن اسے مشرکانہ انداز حکومت قرار دیتا ہے۔ یعنی زندگی کے ایک دائرہ میں خدا کو ماننا اور دوسرے دائرہ (سیاست) میں انسانوں کو صاحب اختیار ماننا۔ آج کل جمہوریت میں ثنویت کا نظام (جسے قرآن نے مشرکانہ انداز حکومت کہا ہے) رائج ہے۔ وہ اسے سیکولر کہتے ہیں۔ اس نظام میں مسلمانوں کو فریب دے کر مطمئن کیا جاتا ہے کہ انہیں مذہبی آزادی حاصل ہے اور یہی اسلام کا تقاضا ہے۔ لیکن کاروبار مملکت انسانوں کے وضع کردہ قوانین کے مطابق طے ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ قرآن مجید کی نقطہ نظر سے مندرجہ بالا دونوں قسم کے نظام سیکولر ہیں۔

اس کے متعلق قرآن کریم نے فرمایا کہ ''یاد رکھو! تم میں سے جو ایسا کرے گا تو اس کا نتیجہ اس کے سوا کچھ نہیں ہوگا کہ وہ اس دنیا میں بھی ذلیل وخوار ہوگا اور قیامت میں بھی شدید ترین عذاب میں مبتلا۔ خدا تمہارے اعمال سے بے خبر نہیں۔'' (2:85)۔ یہ وہ نظام ہے جس میں مسلمانوں کی حالت وہ ہو جاتی ہے کہ وہ ایمان کا دعویٰ کرنے کے باوجود مشرک رہتے ہیں۔ (12:106)۔

مذہب پرست جو بظاہر سیکولر نظام کے خلاف ہیں اور اقامت دین کے مدعی' یہاں تھیاکریٹک نظام قائم کرنا چاہتے ہیں جس میں نظام حکومت مذہبی پیشوائیت کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ ماانزل اللہ (قرآن) کے مطابق قیام حکومت ان میں سے کسی کا بھی مطالبہ یا نصب العین نہیں۔ جہاں تک مملکت پاکستان کا تعلق ہے اس نے نظری اور آئینی طور پر تو اپنے دینی ہونے کا اعلان کر رکھا ہے۔ لیکن عملاً یہاں بھی ابھی تک سیکولر نظام ہی رائج ہے۔ کتاب اللہ کی حکومت اس وقت دنیا میں کہیں بھی نہیں۔

اس صورت احوال کی شدت احساس کا نتیجہ تھا کہ علامہ اقبالؒ نے ایک ایسی جدید مملکت کا تصور دیا جس میں حکمرانی کتاب اللہ کی ہو اور اس طرح اسلام اپنی حقیقی شکل میں پھر سے دنیا کے سامنے آجائے۔ علامہ اقبالؒ اور قائداعظمؒ دونوں نے اس امر کی وضاحت کر دی تھی کہ اس مملکت میں قرآنی قوانین نافذ ہوں گے۔ لیکن ہماری بدقسمتی کہ جب یہاں قانون سازی کا وقت آیا تو نہ علامہ اقبالؒ موجود تھے نہ قائداعظم علیہ الرحمتہ۔

طلوع اسلام کا تعلق کسی فرقے سے نہیں اس لئے ہمارے متعلق یہ سوال پیدا نہیں ہوتا کہ ہم فلاں فقہ کے حق میں ہیں اور فلاں کے خلاف۔ نہ ہم ملک کی عملی سیاست میں حصہ لیتے ہیں جو یہ سمجھا جائے کہ ہم سیاسی نقطۂ نگاہ سے حکومت کے خلاف تنقید کرتے ہیں۔ ہم مسلمان ہیں اور قرآن کریم کو دین میں سند اور حجت تسلیم کرتے ہیں۔ اس قرآن کی رو سے ہم پر یہ فریضہ عائد ہوتا ہے کہ جہاں کوئی ایسی بات اسلام کی طرف سے منسوب کی جا رہی ہو' جو قرآن کے خلاف ہو' ہم اس کی نشاندہی کریں اور مخالفت بھی۔ اس فریضہ کی ادائیگی کے لئے ہم اپنے آپ کو خدا کے حضور جوابدہ سمجھتے ہیں۔ بارگاہ خداوندی میں اسی جواب دہی کا احساس ہے جس کی رو سے ہم اپنے آپ کو مجبور پاتے ہیں کہ یہاں جو کچھ اسلام کے نام سے ہو رہا ہے اس کا جائزہ لے کر یہ بتائیں کہ اس میں فلاں بات قرآن کے خلاف ہے۔

اب ہم سربراہ مملکت سے براہ راست مخاطب ہونا چاہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے صرف کتاب اللہ کے مطابق حکومت

کو اسلامی قرار دیا ہے اور اس کے خلاف ہر حکم، ہر قانون، ہر فیصلے کو فسق، ظلم اور کفر سے تعبیر کیا ہے۔ (5:44,45,47,48)۔

قرآن مجید میں کہا گیا ہے کہ قیامت میں (ہمیں دیکھ کر) رسولؐ اللہ کی فریاد ہوگی کہ **وقال الرسول یٰرب ان قومی اتخذوا ھذا القران مھجورا** (القرآن 25:30) اے میرے رب! یہ ہے میری قوم جس نے اس قرآن کو چھوڑ دیا تھا۔ حضورؐ کی فریاد ترک قرآن کے متعلق ہوگی۔ کسی اور چیز کو ترک کر دینے کا اس میں ذکر نہیں کیونکہ ترک اسلام کے معنی ہی ترک قرآن ہے۔ موجودہ حالات میں سربراہ مملکت ہی پر ساری ذمہ داری عائد ہوتی ہے اور آپ ہی پہلے نمبر پر خدا کے سامنے جوابدہ ہوں گے۔ خدارا سوچئے آپ اس کے متعلق خدا کے حضور کیا جواب دیں گے؟ ہمیں اس بات کا بھی احساس ہے کہ اس کے لئے بڑی جرات کی ضرورت ہے کیونکہ جذباتیت کی وجہ سے مذہبی پیشواؤں کی طرف سے اس کی سخت مخالفت ہوگی۔ لیکن یہ آپ کا فریضہ ہے جسے آپ کو حسن و خوبی سے سرانجام دینا ہے۔ قرآنی معاشرہ کا قیام خدا کا حکم اور رسولؐ اللہ کی سنت ہے۔ کرنے کا کام یہ ہے کہ ہم اپنے آئین کی بنیاد قرآنی اصولوں پر رکھیں۔ قرآنی مملکت کا مقصد ساری دنیا میں عدل کا قیام ہے تاکہ نوع انسانی انصاف پر قائم رہے۔ (57:27) اور قیام امن بھی (2:60) اور تمام نوع انسان کی نشوونما بھی کیونکہ جو چیز تمام نوع انسانی کے لئے نفع بخش ہوتی ہے اسے ہی دنیا میں بقا ہوتی ہے (13:7)۔

روزنامہ جنگ کراچی مورخہ 27 مارچ 2002ء میں خبر شائع ہوئی ہے کہ صدر مملکت پرویز مشرف نے کہا ہے کہ حکومت 1973ء کے آئین میں کوئی بنیادی تبدیلی لانے کا ارادہ نہیں رکھتی کیونکہ 1973ء کا دستور ایسا ہے جسے قومی اتفاق رائے کے ساتھ تشکیل و منظور کیا گیا تھا۔ یہ بات صدر نے عوامی نیشنل پارٹی اور سندھ جمہوری اتحاد کے وفود سے الگ الگ ملاقاتوں کے دوران کہی۔ اس ضمن میں ہم صدر صاحب کی خدمت میں استدعا کرتے ہیں کہ حق و باطل کا معیار کتاب خداوندی ہے۔ کسی چیز کے صحیح ہونے کی یہ کوئی دلیل نہیں کہ اسے اکثریت نے اختیار کر رکھا ہے۔ لوگوں کی عام طور پر حالت یہ ہوتی ہے کہ وہ ظن و قیاس کے پیچھے لگ جاتے ہیں۔ بعض اطلاعات سے اندازہ ہوتا ہے کہ پرویز مشرف حکومت کے پیش نظر کچھ آئینی اصلاحات لیکن ان کی نوعیت اور تفصیل کیا ہے اس سے آگاہی نہیں۔ ریفرنڈم کے نتائج کے بعد صدر مملکت قوم سے خطاب کے دوران اس امر کی تجدید کی کہ ملک میں اسلامی قدروں کے مطابق اصل جمہوریت عمل میں لائی جائے گی۔ جنرل صاحب وہ مرد مومن ہیں جو حقیقی اسلام کے داعی ہیں اور اس نظام کو قائم کرنے کے لئے بڑا عزم رکھتے ہیں ''مذہبی پیشوائیت اور مغربی استعماریت دونوں کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت بھی رکھتے ہیں۔'' اور وہ کامیاب ہوں گے۔ یہی ہماری تمنا ہے۔ اللہ کا قانون مکافات کسی قوم سے رعایت نہیں کرتا۔ لیکن وہ اپنے قانون مہلت کے مطابق قوموں کی تباہی سے معین مدت تک مؤخر کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے کہ:

ویؤخرکم الیٰ اجل مسمی (14:10)۔ اگر یہ قانون نہ ہوتا تو غلط عمل کے ساتھ ہی تباہی آ جاتی لہٰذا قبل اس

کے کہ آخری صدا آ جائے' ہمیں چاہئے کہ ہم اللہ تعالیٰ سے عجز کے ساتھ عرض کریں کہ اے پروردگار ہمیں کچھ مہلت دے دی جائے اور آئندہ کے لئے تجدید عہد کریں اور بلا تاخیر جس مقصد کے لئے پاکستان مانگا تھا اس کو پورا کریں اور قرآنی نظام کو عملاً نافذ کریں۔ ان حالات میں کرنا یہ چاہئے کہ آئین میں کم از کم مندرجہ ذیل ترمیمات کی جائیں۔

1- اس مملکت میں اقتدار اعلیٰ قرآنِ مجید کو حاصل ہوگا۔

2- مملکت کا فریضہ قرآنی احکام وقوانین اصول واقدار کو عملاً نافذ کرنا ہوگا۔

3- یہ بات امت (مملکت کے مسلمان باشندوں) کے باہمی مشورہ سے طے کی جائے گی کہ ان اصول وقوانین کو بحالت موجودہ نافذ کرنے کا طریق کار کیا ہوگا۔

قرآنی نظام پوری انسانیت کے لئے آیۂ رحمت ہے۔ یہ نظام اس ہستی نے دیا ہے جسے اللہ کہا جاتا ہے۔ یہ مملکت ان سے تعاون کرے گی جو قومیں ان مقاصد کے لئے کسی قسم کی کوشش کریں گی۔ قرآنی نظام انسانیت کے لئے آیۂ رحمت ہے۔ تمام انسانیت (درحقیقت) ایک برادری کے افراد ہیں (2:213)۔ لیکن (یہ آپس میں لڑنے کی وجہ سے مختلف گروہوں میں بٹ گئے (10:19)۔ سو اللہ تعالیٰ نے انبیاء مبعوث کئے جو ان کو غلط راستوں کی تباہی سے آگاہ کرنے والے تھے اور صحیح راستے کی خوش خبری دینے والے تھے اور ہر نبی اپنے ساتھ قوانین خداوندی کا ضابطہ لاتا جو حق پر مبنی تھا تاکہ وہ لوگوں کے اختلافی امور کا (حق کے مطابق) فیصلے کریں (اور اس طرح انہیں پھر امت واحدہ بنا دے۔

اس میں نہیں تو یہ پروگرام بڑی لمبی مدت چاہتا ہے۔ تپ دق کا علاج ایک انجیکشن سے ممکن نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بھوک اور خوف کو عذاب سے تعبیر کیا ہے۔ (16:112)۔ جو قوم عذاب میں مبتلا ہو اس میں قرآنی نظام کے قیام کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ موجودہ ہمہ تن دانداز معاشرہ کو ''عدل واحسان'' کی منزل تک قدم بقدم ہی پہنچایا جا سکے گا۔ اس نظام کو اس کی مکمل شکل قائم کرنے تک کا راستہ بتدریج طے کیا جائے گا۔ اس پروگرام کا آغاز اقتصادی انقلاب سے ہی کرنا پڑے گا۔ دیکھنا صرف یہ ہوگا کہ ہمارا ہر قدم اس نصب العین کی طرف اٹھ رہا ہے۔

ایاز حسین انصاری' چیئرمین' ادارہ طلوعِ اسلام (رجسٹرڈ)
25 بی' گلبرگ 2' لاہور' فون نمبر: 5714546

کراچی میں

''طلوعِ اسلام ٹرسٹ کی مطبوعات قرآنک سنٹر A-446 کوہِ نور سنٹر صدر کراچی کے علاوہ دستیاب ہیں''

محترم آصف جلیل (فون نمبر 5801701) موبائل (0333-2121992) کے ہاں بھی دستیاب ہیں

گھر تک پہنچانے کا بندوبست بھی ہو سکتا ہے۔

طلوعِ اسلام کے پرانے شمارے مفت حاصل کریں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ڈاکٹر شبیر احمد کے نام کھلا خط

مکرمی ومحترمی جناب ڈاکٹر شبیر احمد صاحب

سلام ورحمت!

آپ کی مختلف کتب اور تالیفات پڑھنے کا اتفاق ہوا ہے۔ یہ معلوم کر کے بڑی خوشی ہوئی ہے کہ اللہ کا ایک بندہ اپنوں اور بیگانوں کی خوشی وناراضی سے قطع نظر فتنہ پرور نظامِ عالم کے بالمقابل سچی بات کہہ رہا ہے۔ سچی اور حقیقی بات یہ ہے کہ نظامِ اسلام برحق ہے اور آنے والا وقت نظامِ اسلامی کا طلبگار اور متقاضی ہوگا۔

جناب! آپ کا اسلوب تحقیق بہت منفرد اور یگانہ ہے۔ آپ انہی سکالرز کی صف میں شامل ہو گئے ہیں جنہوں نے آپ سے پہلے انہی خطوط پر کام کیا تھا' ان میں سے چند ایک کا تذکرہ آپ نے اپنی کتب میں خود بھی کیا ہے۔ خاص طور پر سرسید احمد خان' سید جمال الدین افغانی' حافظ اسلم جیراجپوری' علامہ محمد اقبال' مولانا عبیداللہ سندھی اور علامہ غلام احمد پرویز وغیرہ شامل ہیں۔ ان علمانے اپنی مختلف تصانیف میں نظامِ اسلام کو نقصان پہنچانے والے تخریبی عناصر کی واضح طور پر نشاندہی کی ہے۔ خاص طور پر علامہ غلام احمد پرویز نے اپنے سارے سلسلہ معارف القرآن اور دیگر کتب میں اسلام کو تباہ کرنے اور مذہب میں تبدیل کرنے والے تمام عناصر کا کھل کر ذکر کیا ہے۔

''اسلام کے مجرم'' آپ کا بڑا زبردست اور حقیقت کشا کام ہے۔ لیکن ہمارے خیال کے مطابق یہ کام کسی اور اسلوب سے ہونا چاہئے تھا۔ آپ کا ہر کام اور قدم قابل ستائش اور مستحسن ہے۔ مجال انکار نہیں ...... لیکن ...... اصل کام کرنے کا کچھ اور ہے جس کے لئے آپ جیسے سکالر کی ہی ضرورت ہے۔ اگر ہمارا رابطہ رہا تو انشاء اللہ ضرور خدمت میں عرض کریں گے کہ وہ اصل کام کونسا ہے اور کس طرح کرنا ہے۔

جناب' پاکستان میں اور پاکستان سے باہر مختلف مقامی اور بین الاقوامی تنظیمیں اور ادارے اسلام کی ترویج واشاعت کا کام کر رہے ہیں ہر ادارہ اور تنظیم کسی نہ کسی فرقے' مسلک یا مکتبۂ فکر کے ساتھ وابستہ ہے اور کبھی بھی کسی تحریک نے اپنے آپ کو فرقے' مسلک یا مکتبۂ فکر سے الگ قرار نہیں دیا' بلکہ وہ ہمیشہ اس پر فخر کرتے ہیں۔ پاکستان میں ''طلوع اسلام'' ایک تحریک اور ادارہ ہے جو نظامِ اسلام کی ترویج واشاعت کے لئے ہمیشہ کوشاں رہتا ہے۔ اس ادارہ کے بانی علامہ غلام احمد پرویزؒ مرحوم تھے۔ انہوں نے ہمیشہ اپنی فکر کو قرآنِ مجید کے تابع رکھا اور فرقہ بازی کو شرک اور کفر قرار دیا کیونکہ یہی حکم الٰہیہ ہے! کبھی اپنی فکر کو حتمی اور حرفِ آخر نہ سمجھا بلکہ اسے ایک انسانی کاوش گردانا اور ہمیشہ کہا کہ اگر انسانی فکر کو قابل تقلید سمجھ لیا جائے تو فرقے کی بنیاد پڑ جاتی ہے اور فرقہ سازی کا عمل امت محمدیہ کے لئے زہر ہلاہل سے بھی زیادہ مضر اور خطرناک ہے......

لیکن...... افسوس اس بات کا ہے کہ آپ نے اپنی ایک کتاب میں جہاں مختلف فرقوں کا ذکر کیا ہے' وہاں فکرِ پرویزؒ جو قرآن [illegible] اور

سیرتِ رسولؐ کے عین مطابق ہے' کے حوالہ سے کسی ناہنجار! پرویزی فرقہ کا ذکر بھی فرمادیا ہے۔ یہ بات سخت ذہنی اذیت کا باعث بنی ہے کہ اب..... ''تو ہی بتا تیرا مسلمان کدھر جائے'' چار جوا کھیلنے والوں کو جوا نہ کھیلنے کی تلقین کرنے والے کو بھی اگر جواری سمجھ لیا جائے یا کہہ دیا جائے تو آپ ہی بتایئے کہ ''یہ انداز گفتگو کیا ہے''۔

آپ کی مختلف کتب پڑھنے کا شرف حاصل ہوا ہے۔ اسلوب' اندازِ بیان' فکری نہج' ہر چیز منفرد اور یگانہ ہے اور یقین جانئے آپ کے الفاظ و معنی اور مرکزی خیال ہر چیز جانی پہچانی اور ایمانی روح کے اندر جاگزیں محسوس ہوتی ہے۔ اس لئے کہ سرسید احمد خان' علامہ محمد اقبال' حافظ اسلم' عبیداللہ سندھی' ڈاکٹر طٰہٰ حسین مصری' علامہ احمد امین مصری اور علامہ غلام احمد پرویز ایسے سکالرز اور علماء کو پڑھنے اور ان حضرات سے کسب فیض کرنے والا قاری کیونکر آپ کی بات' اسلوب' فکر' طرز ادا اور گہری ایمانی و قرآنی بصیرت سے متاثر نہ ہوگا' کیونکہ آپ کی مختلف کتب میں پیروں کے' پیرے اور بنیادی فکری ڈھانچہ خاص طور پر فکر پرویز سے ماخوذ ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ نابغین علمی و ادبی اور فکری خوشہ چینی کو معیوب نہیں سمجھتے' لیکن افسوس اور دکھ تو اس وقت ہوتا ہے کہ جب پتھروں کو زباں مل جائے تو وہ سرِ کلاہ پر برسنا شروع کر دیں۔ فکرِ پرویز سے آب گیر ہونے کے بعد ''پرویزی فرقہ'' کے الفاظ نوکِ زبان پر لانا کسی طرح مناسب نہیں ہے۔

میں یہ بات آپ پر واضح کرنا چاہوں گا کہ آپ کی کتابوں کو سب سے زیادہ پذیرائی بخشنے اور ہاتھوں ہاتھ لینے والے ''طلوع اسلام'' کے قارئین ہیں یا دوسرے لفظوں میں کہنا چاہئے کہ فکرِ پرویز سے متاثر لوگ ہیں۔ جو صرف اس لیے آپ کے لٹریچر پر ٹوٹ پڑے ہیں کہ ان کو ''ندیم دوست سے بوئے دوست'' آرہی ہے۔ اور ایک آپ ہیں کہ ان لوگوں کے گلے میں فرقہ بازی کا لعنتی طوق ڈالنے سے بھی گریزاں نہیں ہیں۔

جناب آپ سے فکری ہم آہنگی اور نظریہ کی یگانگت ہمارا بڑا سرمایۂ افتخار ہے ہم آپ کو اسی شجرِ طیب (اسلام) کی شاخِ نونہال سمجھتے ہیں جس کے فرحت بخش سائے تلے پوری نوع انسانیہ نے تھک ہار کر زمانہ کی تند و تیز دھوپ سے بچنے کے لیے پناہ لینی ہے اس لیے آپ نہ تو کسی دیوانے سے گریزاں ہوں' نہ کسی فرزانے سے لرزاں' نہ آپ اپنے کو چھپانے کی کوشش کریں بلکہ اس بات پر فخر کریں کہ!

فقیرِ راہ کو بخشے گئے اسرارِ سلطانی
بہا میری نوا کی دولتِ پرویز ہے ساقی

آخر میں آپ سے استدعا ہے کہ آپ اپنی یگانۂ روزگار کتب میں جہاں پرویزی فرقہ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے حذف کر دیں' اور قارئین ''طلوع اسلام'' اور فکرِ قرآنی کے حامل افراد سے تحریری اعتذار کریں تاکہ ان کو دلاسہ مل سکے۔ اور آپ کی فکر سے ہم آہنگ اور متاثر لوگ آپ کے شانہ بشانہ رہ کر قدم سے قدم ملا کر چلیں۔

جناب! پاکستان میں قرآنِ مجید کا نام لینا یا نظامِ قرآن کی بات کرنا بذاتِ خود ایک قابلِ گردن زدنی جرم ہے۔ اس صلیبوں کے نگر میں ہر راست گو مسیحا کو نہ معلوم ایک دن میں کتنی بار احساس کی سولی پر لٹکنا پڑتا ہے۔ اس دیس میں رہ کر ''اسلام کے دشمن'' جیسی کتاب کو برسرِ منبر ستانا اور دکھانا سج دھج سے سرِ مقتل قدم رکھنے کے مترادف ہے۔ اور پھر کربلا کی حقیقت پناہ بخدا! آپ سوچ

بھی نہیں سکتے کہ کیا سے کیا قیامتیں ٹوٹ پڑتی ہیں۔ آپ کی تصانیف پر اس معاشرے میں بات کرنا' تبصرہ کرنا یا کسی کو مطالعہ کے لیے دینا چھری کو گلے سے لگا کر پیار کرنے کے مترادف ہے اور یہ کام ہم قارئین! ''طلوع اسلام'' فکر پرویز اور قرآن سے متاثر لوگ کر رہے ہیں۔ کیونکہ ہم وقت کے احساس کی سب سے بلند چٹان پر کھڑے ہیں اور یہ کام کرنا ہم کسی طرح بھی عبادت سے کم نہیں سمجھتے اور ہم بجا طور پر فخریہ کہہ سکتے ہیں کہ۔

احساس کی سولی مے ہر آمد راہ گزر میں
ہم وقت کے عیسیٰ ہیں صلیبوں کے نگر میں

آپ امریکہ میں ہونا خوش بختی سمجھیں۔ اس پر ہم بھی اللہ تعالیٰ کے شکر گزار ہیں۔ انشاء اللہ وہ وقت دور نہیں ہے جب آپ اسلامی نظام کا حکومتی' معاشی' معاشرتی' اخلاقی اور بین الاقوامی ڈھانچہ یا عملی پروگرام دے کر اس مردہ اور بے راہ رو نظام عالم میں سبحانی اور ایمانی روح پھونک دیں گے۔ ہم آپ کو یقین دلاتے ہیں کہ بفضلِ تعالیٰ بہ توفیق ایزدی آپ قدم بڑھائیں ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے۔

اللہ نگہبان

خیر اندیش

سید اعجاز احمد' نمائندہ بزم طلوع اسلام جھمرہ سٹی

ریلوے روڈ چک جھمرہ' تحصیل چک جھمرہ' ضلع فیصل آباد' پاکستان

ضروری اطلاع برائے خریداران

جن احباب کو نظام ڈاک کے کسی سقم کی وجہ سے پرچہ نہ ملے وہ دس تاریخ تک انتظار کرنے کے بعد ناظم ادارہ کو پرچہ نہ ملنے کی اطلاع بھیجیں۔ جن خریداران سے یہ اطلاع پندرہ تاریخ تک پہنچ جائے گی انہیں بیس تاریخ تک پرچہ ڈاک سے بلا قیمت دوبارہ ارسال کیا جائے گا۔ لیکن پندرہ تاریخ کے بعد رپورٹ آنے کی صورت میں یہ اگلے شمارہ کے ساتھ قیمتاً بھیجا جائے گا۔

طلوع اسلام کا نیا شمارہ ہر ماہ کی آخری تاریخوں کو انتہائی احتیاط کے ساتھ چیک کر کے حوالہ ڈاک کیا جاتا ہے۔

﴿ادارہ طلوع اسلام﴾

پاکستان میں

علامہ غلام احمد پرویزؒ

کا درس قرآن کریم مندرجہ ذیل منظور شدہ مقامات پر ہوتا ہے

نوٹ: نمائندگان محترم سے التماس ہے کہ ایڈریس یا اوقاتِ درس میں تبدیلی کی صورت میں ادارہ کو فی الفور مطلع فرمائیں۔

شہر	مقام	دن	وقت
ایبٹ آباد	KL-234 کیہال۔ رابطہ۔ گل بہار صاحبہ	بروز منگل	4 بجے شام
ایبٹ آباد	KL-234 کیہال۔ رابطہ۔ محترم شیخ صلاح الدین، فون۔ 34699	بدھ	4 بجے شام
اوکاڑہ	برمکان احمد علی A-180، شادمان کالونی رابطہ۔ محترم شیخ احسان الحق، فون۔ 0442-527325	جمعۃ المبارک	3 بجے شام
بوریوالا	کالج روڈ، نزد شاہد ہومیوسٹور	جمعۃ المبارک	3 بجے شام
پشاور	دفتر محترم عبداللہ ثانی صاحب ایڈووکیٹ۔ کابلی بازار رابطہ فون۔ 840945	ہر بدھ و جمعہ	5 بجے شام
پشاور	افغان کالونی، بلاک (بی) حسین خان سٹریٹ، گلی 3، ٹیوب ویل چوک، مین روڈ، رابطہ۔ ڈاکٹر بشیر الحق۔	جمعۃ المبارک	4 بجے شام
پیر محل	مکان نمبر 139/140۔ مدینہ پارک	ہر ماہ پہلا اتوار	9 بجے صبح
پنج کسی	برمطب حکیم احمد دین	جمعۃ المبارک	3 بجے شام
جہلم	برمکان محترم قمر پرویز، مجاہد آباد، جی۔ ٹی۔ روڈ	ہر ماہ کی پہلی اور آخری اتوار	9 بجے صبح
جلالپور جٹاں	یونائیٹڈ مسلم ہسپتال	جمعرات	10 بجے صبح
چنیوٹ	محترم آفتاب عروج۔ مکان نمبر W-11/9، گنبد والی کوٹھی، گوجر روڈ، گوجر چوک سیٹلائیٹ ٹاؤن۔	جمعۃ المبارک	بعد نماز جمعہ
چک 215 ای۔ بی	شاہین پٹرولیم، اڈا کوارٹر	اتوار	9 بجے صبح
چوٹی زیریں	محترم ارشاد احمد لغاری، لغاری برادرز، زرعی سروس، ڈیرہ غازی خان	جمعۃ المبارک	بعد نماز جمعہ
حیدر آباد (قاسم آباد)	محترم ایاز حسین انصاری، B-12، حیدر آباد ٹاؤن، فیز نمبر 2، قاسم آباد بالمقابل نسیم نگر	جمعۃ المبارک	بعد نماز عصر

	آخری بس سٹاپ۔ رابطہ فون 654906		
خان پور	بمقام مکان حبیب الرحمان، محلہ نظام آباد، وارڈ نمبر 9 خان پور، ضلع رحیم یار خان	ہر جمعہ	بعد از نماز جمعہ
راولپنڈی	فرسٹ فلور، کمرہ نمبر 114، فیضان پلازہ۔ کمیٹی چوک	جمعۃ المبارک	۴ بجے شام
	رابطہ۔ چوہدری نثار احمد۔ فون: 5542985-5774752	اتوار	4 بجے شام
سرگودھا	4-B، گلی نمبر 7، بلاک 21، نزد مکی مسجد چاندنی چوک	منگل	7 بجے شام
	رابطہ۔ ملک محمد اقبال۔ فون: 711233		
فیصل آباد	23-C، پیپلز کالونی (نزد تیز ب مل)	جمعۃ المبارک	3:30 بجے شام
	رابطہ۔ محترم شریف لون۔ فون: 544508		
کراچی	105 سی بریز پلازہ، شاہراہ فیصل	اتوار	9 بجے صبح
کراچی	ڈبل سٹوری نمبر 16، گلشن مارکیٹ، 36/C	اتوار	11:30 بجے صبح
	ایریا کورنگی 5۔ رابطہ محمد سرور۔ فون: 5046409	جمعۃ المبارک	بعد نماز مغرب
	درس کے علاوہ بھی لائبریری کھلی رہتی ہے۔		
کراچی	A-446 کوہ نور سنٹر، عبداللہ ہارون روڈ، رابطہ محمد اقبال۔ فون: 5892083	ہر اتوار	10 بجے صبح
کوئٹہ	صابر ہومیو فارمیسی توغی روڈ۔ رابطہ فون: 825736	اتوار	4 بجے شام
گوجرانوالہ	شوکت نرسری، گل روڈ، سول لائنز، رابطہ فون نمبر: 736140	جمعۃ المبارک	بعد از نماز جمعہ
لاہور	25-B، گلبرگ 2، (نزد مین مارکیٹ)	اتوار	9:30 بجے صبح
ملتان	شاہ سنز بیرون پاک گیٹ	جمعۃ المبارک	5 بجے شام
منگورہ۔ سوات	ڈیرہ اقبال ادریس، عقب مہران ہوٹل گرین چوک	جمعۃ المبارک	بعد نماز جمعہ
	رابطہ جہانگیر خان، ڈھیرئی بابا، نزد ایئر پورٹ۔ فون: 725708-710917		
منڈی بہاؤالدین	کے۔ ایم۔ جوہر ماڈل سکول، گلی نمبر 1، محلہ صوفی پورہ	جمعرات	2.30 بجے دوپہر
نواں کلی، صوابی	رابطہ بابو اسرار اللہ خان، معرفت ہومیو ڈاکٹر ایم۔ فاروق، محلہ خدر خیل	اتوار	10 بجے صبح

علامہ غلام احمد پرویزؒ کی جملہ تصانیف اور ماہنامہ طلوع اسلام کا تازہ شمارہ بھی انہی جگہوں پر دستیاب ہے۔

تحریک طلوع اسلام سے متعلق استفسارات مندرجہ بالا مقامات پر موجود کارکنان تحریک کے حوالہ کیجئے۔ جواب ادارہ سے براہ راست دیا جائے گا۔

go into the dustbin of history, as had always occurred. No true voice is ever lost by such manipulations and cleverness. The in-depth research and conclusion of the great historian Briffault is worth mentioning here, as:

> "No system of human organization that is false in its very principle, in its very foundation, can save itself by ANY AMOUNT of cleverness and efficiency." (Briffault, 1928).

For the people and nations, who exploit the labours of others, the verdict of Quran is, "…. The wicked or the people who exploit will not succeed." (6/136).

The research in the abnormal psychology and psychiatry tells us a lot, so clearly, about such perverted types of personalities, who appeared in the robes of piety, spoke in the name of God and posed as the true interpreters of God's will etc. They grab and steal. This orientation extends to all spheres of activity and in regard to thinking and intellectual attitudes. Such people will tend not to produce ideas in the form of plagiarism or more subtly by repeating in different phraseology the ideas voiced by others and insisting they are new and their own (Fromm, 1973, 1975, 1976), so such fellows are deeply abnormal and their growth has been retarded severely by their inhuman orientations. These pseudo-writers are doing this all inspite of clear warnings by the Quran as:

1. Confound not truth with falsehood. (2/42).
2. Nor knowingly conceal the truth. (2/42).
3. Hide not testimony. (2/266).
4. Evidence must be given truthfully. (2/135)

We are in the midst of the crises of modern world. We do not have too much time left. (Capra, 1982, 1995; Ellul, 1964; Fromm, 1968; Mumford, 1944, 1951). The condition is worsening and the crisis is deepening. (Bennis and Goldsmith, 1997; Capra, 1982; Toffler, 1993). The only answer is the system prescribed by the Quran, the book of God. By confounding and concealing the truth about revolutionary and evolutionary works of Parwez, such people are doing more than trying to distract and dodge humanity from availing this only chance. It is the utmost extreme form of selfishness too, which is also the gravest sign of psychiatric illness.

****

was out of sight due to direct and indirect cover-ups and conspiracies. For centuries the whole-integrated conceptual frame work, with all its essential details was out of sight, thus out of mind of humankind and thus out of practical application and establishment. Thus, there were no chances for humanity to experience and see the sublime and beautiful fruits which man was searching. Without that conceptual framework, there can be no true renaissance. The greatness of Parwez lies in the exposition and dissemination of that pure Quran in the form of the system (social order), a complete code of life. By the help of Parwez's systematic efforts that conceptual framework and its various details are now once again available for humankind, who is in deep crisis. Our duty is to constantly protect and propagate beautifully, lovingly, peacefully and rationally that great message. In this way we can save humankind without any bloodshed. To cover up, to ignore and distort this truth, the only hope is the most heinous crime against humanity.

Now, after Parwez's death, another perverted phenomenon has appeared, which is highly deceptive and dangerous for humankind. It is more dangerous than the direct confrontations. People who have exploitative mind have now started writing so much within the context of Pakistan, as well as, abroad in deceptive ways, which are so subtle that the ordinary mind can easily be dodged again away from the higher to lower quality. Such pseudo-authors take almost each and everything from Parwez's works and never mention his name and his pioneering contributions. They try to pretend that they have created such pioneering works on their own. As if they are the heroes. Such fake authors in their so-called books and literature mention so openly the numerous names of Muslim as well as Western scholars and writers but they never ever mention Parwez's references. There are others living in the countries like America who are pretending and trying to hide by rationalizing that conditions are not good and they cannot openly acknowledge and propagate Parwez's contribution in its suchness and utmost purity. If Noam Chomsky can say so much in America and all over the world so much against America and West, then why not they? It is strange that such authors can only mention and propagate their own name in such so-called dangerous conditions but not of Parwez??

This is the height of corruption and brutal deception and such attempts will harm humanity so much. These people can gain benefits of fame, status, power and money but for a very short time. Ultimately they will be exposed and their works will

Bucaille had to travel to Egypt to learn classic Arabic of the Quran for the sake of research. It is not so easy a job. God knows what more the learned man must have done to search the truth and knowledge. It must be much more than that. We salute in the honour of Dr. Bucaille's spirit of searching the objectivity. Everybody, who has any doubt in the book of God, the Quran, must read him before reaching to any biased conclusion.

D. DR. ABDUL WADOOD:

The last evidence in this regard is late Dr. Abdul Wadood, who died in 2001, who has contributed so much regarding the Quran and the sciences. But could he escape Parwez? Could he contribute so much without him? No, not at all! He was taught by Parwez and Dr. Wadood used the same foundations provided by Parwez. Without that base Dr. Wadood would not have reached that far. It is not an exaggeration that if there was no Parwez, then there could be no Wadood. Dr. Wadood's works just could not come into existence without the Quranic foundations and training provided by the great Parwez. Apart from poverty of much resources and development, lack of scientific training in that specific area, Dr. Wadood was not of the intellectual caliber as Dr. Bucaille is. Inspite of all such limitations Dr. Wadood achieved much more than him. See the clear-cut economy of time, effort and resources and so many other things in this case. Had it not been far Parwez's works, Dr. Wadood would have to pay the heavy price of losing all he achieved. See how fortunate are we, who have the distinguished opportunity of learning the pure Quran by the help of Parwez's works. This is the excellence of the man called Parwez but what are we doing? We are saying that Parwez is KAFER, He is Qadiyani etc. etc. Don't touch Parwez's books! All this is going on without even reading and studying and evaluating his works—that is called Propaganda.

Thus to escape Parwez's profound works means to suffer directly from deep confusion, misconceptions, contradictions and irrationalities, leading to a lowest quality of product. On the contrary, if somebody bases his/her researches on the foundations provided by Parwez, then he/she will commit errors at some higher levels, but not at lower levels and might go far ahead than Parwez. But this certainly, is not possible without accepting and acknowledging Parwez's contributions for humanity.

THOU SHALT NOT BE AWARE? A HEINOUS COVERING UP:

Modern world is full of corruption. The most heinous corruption is the corruption against the Quran, which contains the only system for the survival and higher evolution of humankind. The pure and original paradigm of the book of God

cannot appreciate ARTS and beauty, is clearly ABNORMAL and definitely perverted in some measure. This is antihuman level but not human per se.

ART and almost all its true and beautiful forms are prohibited strictly by our so-called Islamic Institutions since centuries. The modern learned man Allama Atta-ullah Palvi of India took a daring and courageous step regarding the "Aesthetic" nature of humankind and Islam, called as "Haram-Aur-Halal" in Urdu language. In that book, inspite of so much research and depth, the author was compelled to use the detailed references from the learned scholar Parwez's works to make matters clear, otherwise, he could not explain so confused an issue with such a paramount clarity and beauty of style, that Islam supports the true ARTS to develop man's aesthetic taste. So, again there was no escape and no way out.

C. DR. BUCAILLE'S "THE BIBLE, THE QURAN AND THE SCIENCE:

The international best seller, "The Bible, The Quran and The Science", by the great French scholar and scientist, Dr. Maurice Bucaille, was a superb work of scholarship and is still unbeatable even in this year 2002. It is a classic and still masterpiece. That was the truly objective research of forty years. Dr. Bucaille while researching about the Quran, science and the phenomena of nature has written in detail about the immense difficulties, insurmountable confusions and contradictions he came across. In that book, after a long and immense research, the scholar was ultimately compelled to declare that Mohammad (PBUH) just could not write that book (Quran) and nobody else could dare to do that whatever he/she may be, in his/her level of genius and scholarship. His objective research caused him to proclaim that there was NO SINGLE contradiction between science and the Quran and so on and so forth and thus this Quran is not a human product.

The methodology of Dr. Bucaille, adopted after so long and in-depth research, to understand and expose the issues, was almost the SAME as was decades back used and pioneered by Parwez. It is a coincidence that the learned scientist and scholar never met Parwez and unfortunately never ever heard of him or read something from his works during his lengthy research. But see and observe again because of the same methodology, the book of Dr. Bucaille is clear, in-depth, objective, without contradictions and confusions. This is again an indirect objective proof of Parwez's right approach. See again there is no way out except to use the right path exposed by the truth seekers. Just observe that Dr. Bucaille had to work so hard, for so long a period, to achieve the same basic methodology, to understand the Quranic text. If somehow, he could have had some introduction of Parwez's works like late Dr. Wadood had, then research workers know how much economy of time, effort, money and other resources could have been saved for Dr. Bucaille. For example, Dr.

judge himself experienced insurmountable confusion (Parwez, 1974). The more he searched the so called Islamic references and debates, the more he got confused (Parwez, 1974) and thus he could not reach to any clear cut decision of defined and definite nature, during these long nine years. (Parwez, 1974). Ultimately, when he based his judgment, after nine years of struggling on the small pamphlet of Parwez, "The Mechanical Islam," then at once he came up with the clear cut solution and gave the judgment, which was of historical importance in the form of the verdict, that to become AHMEDI or QADIYANI is to become a non-Muslim. (Parwez, 1974).

Without this base, provided by Parwez, the learned judge remained extremely confused even regarding the primary issue of the definition of NABI or RASUL (Parwez, 1974). But why this extreme confusion and wastage of so much time, energy and so many other resources; inspite of such huge references and massive debates from almost all the Indian Muslim Institutions etc. etc? What was the crucial defect? What was fundamentally lacking? Why the whole confusion cleared up so rapidly and thus conflict resolved so easily by using just a small pamphlet of Parwez (which was on some other topic, not the pertaining issue). The answer is so obvious and clear, which is provided by Parwez himself as he said that he used the "Quran" as the "objective standard", to prove something Islamic or non-Islamic. Thus due to this, there were no CONTRADICTIONS and no confusions to define something in this regard and such problems were easily solved and all confusions were cleared away. (Parwez, 1974).

So, this is the Quran, the book of God, which is important and sufficient but not the authority of the personality of Parwez or anybody else. So, if the learned judge had not used Parwez's work, then he would have suffered eternally in vain.*

B. ART AND ALLAMA ATTAULLAH PALVI:

Human beings are organically endowed with the aesthetic sense or potential, a liking, a taste for the appreciation of beauty. Human organism's learning and tendency towards fine arts is a necessary factor in the growth and development of his/her self. This basic difference between an animal and a human being is clearly and well demonstrated and defined by the human sciences like Psychology (for example, see the works of Maslow, Fromm and Rollo May, just few for the references out of the galaxy of scholars of modern sciences). In sciences, such issues are now common sense and it is counted senseless and primitive to even debate against it. A man, who

* (Note: - For the people who are deeply enough interested in this topic, are suggested to read Parwez's excellently researched book about Ahmedis or Qadiyanis, which is worth studying (see Parwez, 1974) available from 25-B, Gulberg 2, Lahore Pakistan).

away the best achievements of the great minds and it is not enough for something to be just NEW. This is a narcissistic (neurotic) grandiosity to feel that one can do the whole work single-handedly, which had been done by the masters of living and thinking (all great minds). I do not want to insist that one should revert (back) to tradition but to learn from them (past achievements) and to deal critically, critical in the sense of service to life and humankind.

The example of Parwez is himself very important to understand this problem. He was highly influenced by Iqbal, and he had based his great contributions on the guidelines of Iqbal, and yet has gone beyond him. But if Parwez had somehow tried to ignore and bypass Iqbal's great contributions, it was almost impossible for him to rise to such a higher level of scholarship. The foundations provided by Iqbal were of crucial importance in his evolution. This is not an exaggeration to say that Parwez could not evolve so much without Iqbal, so directly and swiftly. He himself thoroughly acknowledged this fact all his life in his works, as well as, in his lectures (see for example, Parwez, 1973, 1975, 1981). Parwez's greatness lies in his frank acceptance and deeper acknowledgement of the labours of Iqbal, Sir Syed, Aslam Jairajpuri and many others and yet criticizing their errors and thus going beyond them. Here lies a lot of learning for the future historians, scholars and for us too, who are not scholars or scientists.

Thus following the same principle, nobody in the modern world can understand comprehensively, clearly, practically and systematically the teachings of the 'Quran', if he/she rejects directly and indirectly his exceptional works. Nobody in this respect, who is in search of excellence, can achieve excellence without his works of excellence. First of all, he/she has to do a unique and immense amount of high quality basic systematic work; then and then alone can one go beyond. It seems extremely irrational and crazy not to go like that. Furthermore, ignoring and rejecting such productive and creative foundations means to suffer threatened confusion and other severe handicaps. I will now illustrate this by giving you some examples as:-

A. THE CASE OF 1926 (THE CASE AGIANST AHMEDIS/QADIYANIS):

The most renowned case of 1926, regarding the AHMEDIS or QADIYANIS, is the excellent example to understand this. This case became very important in the modern history of the subcontinent. Due to its importance and fame in all India, almost all renowned and top class religious authorities got involved actively in the case. The issue remained under intense debate for about nine years. During this long period, a huge mountain of references was provided to the judge and the learned judge himself researched a lot\ due to such a heavy responsibility. Inspite of all this, the judge could not decide anything due to increasing confusions, year after year. The

"Because of the smallness and patchiness of our knowledge."

Divine vision is not against critical and radical thought but in the above said regard what we emphasize is, to understand the inherent limitations of the human potential keeping in mind the historical trial and error of the man as well as his knowledge to this date 2002. Due to all such limitations, failures and hazards, the real visionary, G.A. Parwez's highest and the only recommendation is 'Divine Vision', the vision based on the universal permanent values of the Quran, which will solve all the existing problems of humankind as well as lead to the destiny of man. Humanity, in this year 2002, is in the midst of such a crisis that even one wrong decision can lead to more fatal consequences , which many be irreversible and non-repairable (Capre, 1982, Fromm 1961), as warned so loudly, by one of the greatest social thinker Fromm, after penetratingly analyzing the roots of the modern misery as:

"The situation of mankind today is too serious to permit us to listen to the demagogues—least of all demagogues who are attracted to destruction— or even to the leaders who use only their brains and whose hearts have been hardened" (Fromm, 1973).

To this date, all the man-made visions proved to be nothing less than the demagogues because of their underlying destructive and partial vision or system of values. Man must be left free to choose consciously because according to the divine-paradigm, "There is no compulsion in DEEN (system) and man is free to choose & act".

The visionary, G.A. Parwez suggests at the heart level that mankind must try to evaluate experimentally the Divine-paradigm and must not repeat the same previous error to submit to the man-made visions or Idols. If humankind is again rejecting this great opportunity provided by G.A. Parwez, then it will again suffer and this is called SIN, that is, not learning from the previous mistakes and errors.

****

CAN WE ESCAPE PARWEZ?

Can we escape Parwez? Or is it possible to bypass so huge a contribution and foundational work, which he has done for mankind? This is a very vital and crucial question, which must be answered.

I should like to stress that even the most radical development must have its continuity with the past achievements; that humankind cannot progress by throwing

human mind but not its fault. Its man's fault that he is doing a wrong thing, that is, going beyond the limits called as FANATIICISM OR EXTREMISM. The system of universal values can only be given by the CREATOR GOD (Parwez, 1956, 1968, 1977). The creator had always given HIS system of values, the Divine vision, to make a 'Good' or 'Higher' Society, so that every person should reach his/her destiny, that is to become a fully developed human being, but it was corrupted and changed to an exploitative one. Now and onwords this system of values, the code of life has been preserved in the form of a book, called the Quran. And nowhere else it is found in it's pristine form except the Quran (Parwez, 1977, Wadud, 1971, 1976, 1987). In all other religions like Christianity, Judaism, Hinduism etc it is present in it's perverted form, that is, perverted by the man, not by God (Parwez, 1977) Therefore, Islam (Quran) does not represent religions but a 'system' which is better than all the man-made-systems, rather it is a challenge against religion (Parwez, 1968, Anwar, 1994, Iqbal q.v. Anwar, 1994) as well as against all the prevalent present man-made systems.

This does not mean something like supernaturalism, mysticism or reverting (back) to priest-craft or theocracy or tribalism etc etc. God's vision, in the form of Quranic vision completely satisfies the human intellect, as well as, can be fully confirmed or pragmatically tested. The practical results or fruits of the vision are the best to judge something. It is the spirit of our time too. Beyond intellect does not mean against intellect and reality. The Quranic revelation cannot go against reality (Bucaile, 1978, Parwez, 1968, Wadud, 1971, 1987). The divine vision can be rejected if it does not give the promised results. The Divine (Quranic) value system challenges the modern world to accept it only on the basis of merit.

Humankind needs desperately a new paradigm and humanity is at the crucial point of paradigm shifting (Capra, 1982, 1988, 1995, Henderson, 1995). It's up to man to choose God made vision or man-made incomplete or partial vision. Man's highest efforts up till now could not give humanity even a relative satisfactory vision, on which a sane society or social order can be build on. H.C. Menken so clearly expressed and acknowledged it as:

"Under all such failures there is a greater one: the failure of man, the most social of all the higher animals and by far the most intelligent, to provide himself with any thing, EVEN REMOTELY DESCRIBED AS GOOD GOVERNMENT" (q.b. Parwez, 1968).

Why such a failure? The reason lies in the very limitations of human knowledge. One of the most influential thinker of modern times EF. Schumacher most clearly tells us about the cause:

persons like Erich Fromm and others like Capra, Laing, Noam Chomsky etc etc survived and served. Since last many centuries, west has done something that such thinkers can survive and may be accepted. There are strong chances that one visionary can be soon replaced by the other. They don't have to wait so long like us and suffer eternally. Western nations have more learning and inclination towards learning and changing, due to their research attitude and scientific institutions etc. Muslim nations have almost lost such orientation. Therefore, fossilized to the degree of primitive status quo, called as "HELL", in the words of Quran, that is JAHIM (Parwez, 1960, 1968).

But still there is time to wake up and revive. Irony of the affairs is such that we don't have much time. The future of the modern Muslim nations, as well as, of the West depends entirely upon the active acceptance of the Quranic-paradigm, based on the foundation of the permanent values or universal principles, exposed by this lost visionary of mankind, called G.A. Parwez. To bury his labours of love and genius means dumping us down, that is, burrying down the glorious future of humankind; where (then) we frustrated humanity will go? Mankind can never ever survive and thrive without the system of values laid down by the Quran. Sooner or later, consciously or unconsciously modern man will have to ultimately admit this truth. Time is rapidly ripening. The incentive and necessity to write this essay is out of love and duty to save humanity by telling the whole of humanity the truth about this modern visionary and his great vision.

The system of values of Quran, as explained and exposed by G.A. Parwez is humankind's deepest & ultimate need; that this need has been obscured universally does not mean that it does not exist. There is only one 'vision', called as 'Divine-Vision' or 'Quranic Vision'.

I don't mean that the western thinkers and visionaries had not contributed. They have worked very hard and produced so huge a creative work and still it is an ongoing process. All creative efforts of human thought are highly valuable. But in essence, all human models to built a good society, are incomplete and are at best "partial visions", thus unable to lead us to destiny of man. Therefore, all existing man-made paradigms have naturally caused partial or fragmented growth but not full development. Man-made vision will always remain like that. History of humankind to this date, is the best laboratory to judge the over all results of man-made visions. This is no fault or defect of human reason. To generate or originate the system of universal laws to live by it is out of the domain of human thought, and the human society Man's reason cannot invent such values (Frankle, 1967, Covey, 1989, 1991 Parwez, 1956, 1968) These laws are beyond the human potential. This is the limitations of

in this single soul. He gave life, a revival and evolution to the pioneering efforts of Sir Syed, Iqbal and Jinnah and yet has gone beyond them. He dynamically kept alive the forgotten vision in the form, which is par excellence in it's very quality and details so that ANY INDIVIDUAL or ANY NATION, who is in search of excellence in living and evolving, will never have any difficulty.

All present (human) problems, including economic, political and ecological etc etc, can be solved by this "visionary work". G.A. Parwez has reduced immense labours by providing the ultimate vision of reality. Let us see, who wants to live or die. The future of mankind is hanging on the rope of his extraordinary works on the Quran.

The experience of the modern Muslims nations and particularly of the Pakistani nation, regarding the value of this great visionary, can be painfully expressed as, "They had the experience but missed the meaning". We are trying very hard to forget that we can re-experience the vision. And, worse than worse "we are forgetting that we are forgetting". In this nihilistic process, we are trying our utmost best to make him (G.A. Parwez) unknown locally and universally.

In such unfortunate nations usually visionaries do not commonly appear because they don't value them rather are devalued, exterminated, burned, killed or cruelly dehumanized. These nations as a rule don't prepare the proper soil for the birth, survival and evolution of such pioneers. Such nations, in the evaluation of great psychologist and thinker, are non-creative, called "Bad Societies" (Maslow, 1971) and in the evaluation of Fromm as, "INSANE SOCIETIES". (Fromm, 1956). Without some optimal conditions, such creative personalities cannot germinate and prosper. For example, it took almost more than one thousand years to see these few visionaries like Iqbal and Parwez. The process of evolution, in the human societies, in such affairs is very "SLOW", especially in such inhuman context. There are strong chances that such great visionaries probably may not re-appear in decaying nations due to the inhuman conditions they have produced. The loss of such visionaries is a greatest loss of a nation. It's not person like Parwez had died in 1985, its like the nation suffered another fatal heart failure, which is ever progressing towards the end. Civilizationists, the doctors of nations or cultures know well what it means for the nations like us. God knows when such great hero will reappear in the nations like us? Chances are bleakest, if we are not changing our society at deeper levels.

The conditions of the west is quite different than the so-called developing or underdeveloped nations. Regarding the tolerance and relating growth of such creative visionaries, the soil of the west is better and relatively encouraging. For example,

like a greatest artist or sculptor. He removed the errors, contradictions, confusions and mystifications inherited in the pioneering efforts of Iqbal, which is always the case with such pioneers, and such errors cannot reduce their importance in the evolution of humanity. To ever is all too human. Gregory Bateson, has been regarded so high in the modern times, as the most influential scientist and thinker of modern as well as the coming centuries (Capra, 1982, 1988). Bateson, with his grand genius and scholarship within the more modern context of the west, remained for whole of his life in the search for "The pattern, which connects". The foundational and essential pattern of life, the model, the paradigm, which connects and evolves all life, with the context of the whole universe (Bateson, 1979). He remained unsuccessful in discovering that 'great pattern'. He could not just hint enough. His whole effort is nothing more than "a perpetual confusion". He is G.A. Parwez, who re-discovered and gave that "complete pattern or design" to the humankind, which connects man with man, man with universe and man with himself in a highly balanced and creative way, so that man can become what he should become, a higher being. This is G.A. Parwez's greatest contribution for the humankind.

The foremost scholar, G.A. Parwez kept alive the 'vision' in its utmost profoundness and superb clarity. He researched immensely and integrated many missing dimensions, which were of crucial importance and without this great creative and complementary unique labour the BASIC REALITY, an integrated whole (pattern or design) would remain incomplete, confused, mystified and impracticable. Parwez has finished the hardest, almost impossible task, which Iqbal left incomplete and without perfect shape. He gave it utmost perfection and beauty within his human reach. The message of Quran, in itself, contains highest form of perfection and beauty and balance, which is exposed to us by Parwez's labours. NOW, the great vision is available, in its most productive and down to earth form ('pattern'). It's up to humanity to assimilate it, embody it to survive and evolve higher, that is, to become a complete and fully developed entity.

My research of more than fifteen years, having many dimensions has convinced me that G.A. Parwez is the last and the greatest of all the visionaries of the modern era, which I will be exposing in my next article which follows. This does not mean that in the future, there will be no visionary. But, now onwards, the modern world has much more potential to produce such great visionaries, on the basis of such supreme foundations.

He is the visionary, who has integrated in the most creative and systematic form the rational achievements of the past, as well as, of the modern times, within his utmost range. The spirits of Sir Syed, Iq[illegible] and many others [illegible]e experienced alive

Iqbal's vision, was a relentless battle against the status quo be it monarchy, feudalism, capitalism, communism or slavery of all types etc etc. (Anwar, 1996 March) Further more, it was a tremendous challenge to territorial, racial and linguistic nationalism. His vision rejected the nation state as inhuman (Parwez, 1959, 1975, Anwar, 1994, 1996 March).

In the conflict and confrontation between capitalism and communism Iqbal's vision, predicted the collapse of communism. "Capitalism with all its ruthlessness and avarice would then be without constraints and devastating for humanity. Above all, capitalism is a self-perishing and self-perpetuating system based on profit motivations and selfishness (Copra, 1982, Henderson 1979, 1995, Fromm, 1956, 1961, 1976, Schumacher, 1973, Parwez, 1968, 1978, 1981, 1973). Iqbal hoped that there would be an ALTERNATIVE to capitalism in the experimental model of Pakistan as another option. The situation is grave & summarized as, "Today one can appreciate this foresight because the world is faced with a destructive unipolar-power" (Anwar, 1996, March). Iqbal's penetrating insight foresaw, "Neither the technique of medieval mysticism nor nationalism nor atheistic socialism can cure the ills of a despairing humanity." (Anwar, 1994) and "his (Iqbal's) studies, observations, and experiences convinced him that the solutions lay in Islam "(that is the pure Quranic model)" (Anwar, 1994, Berni 1989, 1991, Parwez, 1968, 1959, 1975, 1961 May). Iqbal's death was premature death. After his death, the great Jinnah gave practical shape to Iqbal's vision, in the form of Pakistan but again he died relatively very early. After these two big historical drawbacks humanity was again left into chaos. The future historian may decide that the most outstanding event in the twentieth century was the formation of Pakistan. Due to such events in the earlier phases of revolution the great plan and rational hope had failed. The authentic experience of dawn became increasingly thinner, in the context of Pakistan since 1948-49 and in the wider world perspective, to the point of relative unreality or distorted reality.

At this turning phase of history, when every trace of the great struggle and revolution was at the verge of disappearance and complete mystification, again a greatest visionary, a master of thinking and living appeared on the scene of history, just at the time when he was most needed, called G.A. Parwez. He took all alone the tremendous responsibility of keeping the vision alive after Iqbal and Jinnah. The huge responsibility of the Systematic refinement, improvement and evolution of the vision, it's propagation and preservation, in it's utmost pristine form, had been taken by this successor, the last but the greatest visionary of the modern times.

G.A. Parwez exposed the great design, the divine system. He exposed artistically the beauty and depth and the wholeness of the Quranic Vision of life, just

DUMPING HUMANITY DOWN BY DUMPING

THE GREAT VISION!

By

Dr. Shafiq Anwar

++++++++++++++++++++++

He was Iqbal, who told us that a nation, who has lost her vision, must perish and die out of her grave choices. We are such a nation. No nation is so fortunate, as well as, so unfortunate like us, in this particular sense. We are uniquely distinguished in this regard, in the recent history of humankind. To reverse this psychobiological historical process, an active reorientation of the same vision intellectually, as well as affectively is needed, which should deeply satisfy all the present needs of humankind. The great vision (or now a days, called as PARADIGM) to survive and evolve, this crisis and rapid decay of the modern world, was provided to us and all humanity, once again, by the great labours of the thinker, and visionary Dr. Iqbal. Iqbal did his work and gave it to us to preserve, develop and evolve his pioneering efforts. But, those who were responsible to follow and propagate his vision, based on the pure Quranic Concepts, remained from 1949 to this time 2002 extremely out of touch, irresponsible and lived unconsciously (Berni, 1989, Anwar, 1994, Abbasi 2000 July, Parwez, 1959, 1975, 1981) The result is deeper crisis and nihilism. We have destroyed ourselves, left nothing for our beautiful youth, who is our future. Iqbal's vision was deformed and corrupted into it's opposite, both by the 'we Muslims', as well as, by the other opponents, is a remarkable--though by no means unique example of man's capacity for distortion and irrationality. By systematic and all pervasive mystifications of that vision, we have become the major cause to halt the growth and further evolution of me whole of humankind. "In fact the furthermost from its claims and the biggest negation of the Muslim culture (Quran) today is the Muslim" as observed by the Pakistani-historian Shamim Anwar and many others (Anwar, 1994, Parwez, 1998, Goodwin, 1994, Iqbal 1934).

We have almost forgotten Iqbal. Even in 1950's it was an established verdict that we Pakistani and all the present Muslim Nations had forgotten the essence of Iqbal, that is, his VISION (Parwez, 1959).

FOUNDED IN 1938 AT THE BEHEST OF ALLAMA IQBAL® AND QUAID-E-AZAM®

R.L.No. CPL-22
VOL:55
ISSUE 6

Monthly

TOLU-E-ISLAM

25-B, Gulberg 2, Lahore, PAKISTAN
Phone: 5714546, 5753666 Fax: 5866617
Email: idara@toluislam.com
Web Site: http://www.toluislam.com/

AMBER®

We are ISO 9001 certified!!

AMBER Range of Products:

Capacitors for Motor Start-Run, Fans, Blowers, Air Conditioners, Fluorescent Lamps, High Pressure/High Intensity Discharge Lamps, and, Power Factor Correction.

CUSTOMER SPECIFICATIONS ARE WELCOME!!

Amber Capacitors Limited
16-Link Mcleod Road, P. O. Box 468, Lahore, PAKISTAN.

Phone: +92 42 722 5865, 722 6975
Fax: +92 42 723 2807, 586 6617
Web Site: http://ambercaps.com/
Email: amber@ambercaps.com